* سبق میں ہندی اور انگریزی کے کچھ الفاظ آئے ہیں۔ انھیں تلاش کرکے جدول میں لکھیے۔

ہندی الفاظ			
انگریزی الفاظ			

* 'لا زوال' مرکب لفظ ہے۔ سابقہ 'لا' کی مدد سے چار نئے الفاظ بنائیے۔
* "شکستہ دیوار کے ملبے سے ایک مینارۂ نور بلند ہوتا دکھائی دیا۔" اس جملے کی وضاحت کیجیے۔

ہدایت کے مطابق عمل کیجیے۔

* سبق سے واوِ عطف والی ترکیبیں تلاش کرکے لکھیے۔
* سبق سے زیرِ اضافت والی ترکیبیں تلاش کرکے تحریر کیجیے۔
* ذیل کے الفاظ پر مناسب اعراب لگا کر دو مختلف معنی والے الفاظ بنائیے۔

(i) دھن (ii) ملک

(iii) دل (iv) صرف

* جملے کی قسم پہچانیے۔

ا۔ اس جرم میں تین بار کالج سے نکالے گئے۔

۲۔ دیش آزاد ہوا اور تم پردھان منتری بنائے گئے تو کیا تنخواہ لوگے؟

۳۔ جواہر لال! تم اس ننگے بھوکے دیش سے سو روپے تنخواہ لوگے۔ سو روپے!

* "جو شخص درویشانہ زندگی بسر کرتا ہو، اسے روپے پیسے کی ضرورت بھی کیا۔" مولانا حسرت موہانی کی شخصیت کی روشنی میں اس جملے کا استحسان اس طرح کیجیے کہ جملے کا مطلب واضح ہوجائے۔
* جملے کو خط کشیدہ کرکے اضافی ترکیب کے اجزا مضاف، مضاف الیہ اور حروفِ اضافت لکھیے۔

ا۔ کانگریس کا تاریخی جلسہ تھا۔

۲۔ غبارِ خاطر کے خطوط سے ہمیں علم ہو چکا ہے۔

۳۔ بیوی کی سمجھ میں بات آ گئی۔

* دیے گئے حرفی نمبروں کے مطابق ذیل کے نمبروں کی ترتیب میں سے اس ترتیب کو نقل کر کے ترتیب پانے والا لفظ لکھیے۔

ا۔ بے فکری / بے نیازی کے مفہوم والا لفظ ترتیب پاتا ہے۔

حروف کے نمبر : ا ا ت س غ ن

1 1 2 3 4 5

نمبروں کی ترتیب : (i) 1 3 2 4 5 1

(ii) 1 2 3 4 5 1 (iii) 1 1 4 3 5 2

۲۔ سبق کی ایک اہم شخصیت کے نام کا حصہ ترتیب پاتا ہے۔

حروف کے نمبر : ا م ن و ہ ی

1 2 3 4 5 6

نمبروں کی ترتیب : (i) 1 2 3 4 5 6

(ii) 6 3 1 5 4 2 (iii) 2 3 1 6 5 4

اضافی معلومات

نرم دَل - گرم دَل

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کو جب انگریزوں نے نہایت بے دردی کے ساتھ کچل دیا اور ہزاروں محبانِ آزادی کو پھانسی پر چڑھا دیا تو یہاں عوام الناس کے دلوں میں خوف کی لہر دوڑ گئی اور انگریزی حکومت کے خلاف نفرت کا جذبہ پروان چڑھنے لگا۔ انگریزوں کا مقابلہ کرنے کے لیے دو محاذ قائم ہوگئے۔ ایک گروہ میں بال گنگا دھر تلک، بپن چندر پال اور لالہ لاجپت رائے شامل تھے۔ ان لوگوں نے آزادی کی خاطر پولس کی لاٹھیاں کھائیں۔ آزادی کے ان متوالوں کے گروہ کو 'گرم دَل' کہا جاتا ہے۔ حسرت موہانی اس دَل کے سب سے زیادہ فعال رکن تھے۔ انھوں نے سول نافرمانی میں عملاً حصہ لیا اور جیل گئے۔ جیل میں انھیں چکّی پیسنے کی سزا دی گئی۔ جیل میں وہ روزانہ ایک من آٹا پیسا کرتے تھے۔ آزادی چاہنے والوں کا دوسرا محاذ عدم تشدد کا قائل تھا۔ وہ امن و آشتی کے ذریعے انگریزوں سے آزادی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ مہاتما گاندھی اور ان کے رفقا اس تحریک سے جڑے ہوئے تھے۔ پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد اور سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان ان میں اہم نام ہیں۔ اس گروہ کو 'نرم دَل' کہا جاتا ہے۔

۶۔ اُردو مراٹھی کے ثقافتی رشتے

ELKFRQ

سیّد یحییٰ نشیط

پہلی بات : انسان زبان کے ذریعے اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ زبانیں وقت کے ساتھ ساتھ ترقی کرتی ہیں۔ کسی علاقے میں بولی جانے والی زبان جب اپنے آس پاس موجود دوسری زبانوں کے تعلق میں آتی ہے تو فطری طور پر اس کا اثر بھی قبول کرتی ہے۔ ایک زبان کے الفاظ جب دوسری زبان میں شامل ہوتے ہیں تو وہ مزید ترقی یافتہ ہوتی چلی جاتی ہے۔ اُردو زبان نے بھی کئی زبانوں کے اثرات قبول کیے ہیں۔

ادب سماج کا آئینہ ہے۔ سماج میں جو بھی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں، ان کے اثرات ادب پر پڑتے ہیں۔ سماجی اقدار، رسومات، رواج اور تہذیبی وتمدنی روایات سے ادب موضوعات اخذ کرتا ہے اور انھیں سماج میں پیش کرتا ہے۔ سماج میں نشوونما پانے کے دوران بعض مرتبہ کسی زبان کا ادب دوسری زبان کے ادب کو متاثر کرتا اور دوسری زبان کی ادبی روایتوں کو بھی قبول کرتا ہے۔ اُردو کے اثرات کی وجہ سے مراٹھی میں جس طرح غزل کو فروغ حاصل ہوا اسی طرح مراٹھی کے اثرات کی وجہ سے اُردو میں کئی مراٹھی اصناف کو قبول کیا گیا۔ درج ذیل سبق میں اُردو مراٹھی کے باہمی ثقافتی اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

جان پہچان : سیّد یحییٰ نشیط یکم جنوری ۱۹۵۰ء کو کل گاؤں، ضلع ایوت محل میں پیدا ہوئے۔ اکتالیس سال درس وتدریس کے پیشے سے وابستگی کے بعد ۲۰۰۷ء میں وہ بحیثیت ہیڈ ماسٹر ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ آپ کو تحقیق وتنقید سے بھی گہری دلچسپی ہے۔ ’اُردو میں حمد ومناجات، اسطوری فکر وفلسفہ، اُردو مراٹھی کے تہذیبی رشتے‘ آپ کی قابلِ ذکر تصانیف ہیں۔ ادبی خدمات کے اعتراف میں آپ کو سیتو مادھوراؤ پگڑی ایوارڈ، مولانا قاضی سجاد حسین ایوارڈ اور حفیظ میرٹھی ایوارڈ سے نوازا گیا ہے۔

مہاراشٹر میں مسلمانوں کی بود و باش اور تہذیب وتمدن کے آثار آٹھویں صدی عیسوی سے پائے جاتے ہیں۔ عرب تاجر مسعودی اور یاقوت کی کتابوں میں چول اور تھانہ میں مسلم بستیوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ وَلبھ رائے گووندسوم (۸۱۴-۹۳۰ء) اور اموگھ ورش (۸۷۷ء-۸۱۴ء) کے دورِ حکومت میں تو مسلمانوں میں شرعی اُمور کی پاسداری کے لیے مسلمان ناظم مقرر کیا جاتا تھا جسے مقامی زبان میں ’ہُنرمن‘ کہتے تھے۔ یہ غیر مسلم بادشاہ مسلمان مجرموں کو شریعت کے مطابق سزا دیا کرتے تھے اور ہنرمن کے انصاف پر تکیہ کیا جاتا تھا۔

اتحاد واتفاق کی بدولت یہاں کی ہندو مسلم ثقافت ایک دوسرے سے متاثر ہوتی رہی اور ایک دوسرے کو متاثر کرتی رہی، اس پر مستزاد یہاں کی روحانی تعلیم جس کے سوتے صوفی سنتوں کی خانقاہوں سے پھوٹے۔ انھوں نے ظاہری رنگ ڈھنگ کو اُجالنے کی بجائے باطن کو مجلّیٰ کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ظاہری اعتبار سے تو آدمی کا مذہب الگ الگ ہوسکتا ہے، باطن میں البتہ اس کی روح ایک ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں خانقاہوں میں ہندوؤں کے گرو اور مٹھوں میں مسلمانوں کے مرشد آپس میں ہم رشتہ دِکھائی دینے لگے تھے۔ غرض کہ مہاراشٹر میں خسروانہ جاہ وجلال اور درویشانہ فقر وحال کے مابین یگانگت اور بھائی چارے کی نشوونما ہوتی رہی اور اس سازگار ماحول میں ہندو مسلمان ایک دوسرے کو سمجھنے اور ایک دوسرے کے عقیدوں کا احترام کرنے لگے تھے۔ سماجی دوریاں ختم ہونے

لگی تھیں اور ثقافتی رشتے مضبوط ہونے لگے تھے۔ ایسے حالات میں زبانوں کے اشتراک اور بلاتفریق استعمال نے ان کے ادب پر بھی اثر ڈالا۔ چنانچہ مراٹھی کے صوفی شاعر شیخ محمد کا یہ شعر زبانوں کی ثقافتی یکجہتی کی عمدہ مثال پیش کرتا ہے۔

دونوں انکھیاں کا ایکچی دیکھنا
دُئی بھاشی ورنیلا ایکچی جانا

दोनों अंखियाँ का एकची देखना
दुई भाषी वरनेला एकची जाना

یعنی جس طرح دونوں آنکھوں سے ہم ایک ہی چیز دیکھ سکتے ہیں، اسی طرح دو زبانوں میں ایک ہی مضمون بیان ہوسکتا ہے۔ شیخ محمد نے اپنی بعض مراٹھی نظموں میں ایک مصرع مراٹھی کا تو دوسرا اُردو کا لکھا ہے۔ اس طرح کی شعری صنعت کو تلمیع کہتے ہیں۔ اس دور میں اُردو اور مراٹھی زبان و ادب کو قریب لانے کی یہ کوشش قابلِ تعریف کہی جاسکتی ہے۔ یہی روایت ہمیں مراٹھی سنت شاعر ایکناتھ مہاراج کی مراٹھی نظم 'ہندو۔ ترک سنواد' میں بھی دِکھائی دیتی ہے۔ انھوں نے رسولِ اکرمؐ کی ایک نعت بھی لکھی ہے جو غیر مسلم شعرا کے نعتیہ کلام کا اوّلین نمونہ ہے۔ اس طرح نفرت کی بیخ کنی کرنے اور تمام نوعِ انسانی میں بھائی چارہ اور محبت پیدا کرنے کے لیے مراٹھی کے ان سنت شاعروں نے دھرم، ذات پات اور زبان کے امتیاز و تفوق سے ہٹ کر انسانی فلاح کا رشتہ ہموار کیا۔

باہمی رفاقتوں کا یہ سلسلہ اُردو میں بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ سترہویں صدی کے معروف بزرگ سیّد امین نے 'مجذوب السالکین' لکھی تھی۔ اس کتاب کی تالیف کا سبب بیان کرتے ہوئے انھوں نے کہا تھا، "میں چاہتا ہوں کہ مذکور کروں صوفیائے ہر دو قوم کا بیچ دکھنی زبان کے۔ میرے جیو میں آیا کہ مسلمانی ہور ہندوی مذہبی لفظاں جمع کرکر واسطے صوفیان ہر دو قوم کے ایک رسالہ بناؤں۔" سیّد امین نے اس کتاب میں مراٹھی محاوروں اور کہاوتوں کا بڑی خوب صورتی سے استعمال کیا ہے۔ شیواجی مہاراج کے دور کے مشہور سنت رام داس سوامی کے شاگردوں میں شاہ تراب چشتی کا بھی نام لیا جاتا ہے۔ انھوں نے اپنے استاد کی مشہور مراٹھی کتاب 'مناچے شلوک' سے متاثر ہوکر دکھنی زبان میں 'من سمجھاون' لکھی تھی۔ ان دونوں کتابوں کی خوبی یہ ہے کہ ان کی بحر ایک ہی ہے اور بعض مضامین میں بھی یکسانیت پائی جاتی ہے۔ یہ کتابیں آدمی کی اندرونی اصلاح اور سماجی فلاح کے لیے لکھی گئی تھیں۔ اس طرح ہندو اور مسلمان شعرا کی یہ ساری کوششیں اُردو اور مراٹھی کے ادبی روابط کو مضبوط کرنے میں بڑی اہمیت کی حامل رہی ہیں۔

عربی، فارسی اور اُردو میں مرثیے کو وقار حاصل ہے۔ یہ ایک ادبی شعری صنف ہے جسے مراٹھی میں 'روایتی' کہا جانے لگا۔ فرق اتنا تھا کہ 'روایتی' نوحہ اور بین کے قبیل کی صنف بن کر مراٹھی میں گائی جانے لگی۔ اس کے برعکس 'بھارُوڑ' خالص مراٹھی صنف رہی ہے۔ اس میں رمز یہ حقیقت کو آشکار کیا جاتا ہے۔ اُردو میں خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ نے اپنا رسالہ 'شکارنامہ' اسی اسلوب میں لکھا ہے۔ مراٹھی میں ایکناتھ کے بھارُوڑ بہت مشہور ہیں۔

اُردو مراٹھی کے یہ ادبی دھارے آگے بڑھ کر مہاراشٹر کی ثقافت کو بھی اپنے میں سمو لیتے ہیں۔ یہاں کی ثقافت میں 'پھگڑی' کے کھیل کو مذہبی تقدس حاصل ہے۔ ناگ پنچمی کے تہوار پر عورتیں پھُگڑی کھیلتی ہیں۔ اس کھیل میں دو عورتیں ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ کر گول گھومتی ہیں۔ گھومتے وقت زمین پر پاؤں کا جماؤ اور پشت کی جانب جسم کا پورا جھکاؤ ہوتا ہے اس لیے ایک دوسرے کے ہاتھوں

کو مضبوطی سے پکڑا جاتا ہے۔ پوری قوت سے گھومنے کی وجہ سے سانس پھولنے لگتی ہے اور ہوٗ ہوٗ کی آواز منہ سے نکلتی ہے۔ پھگڑی کے کھیل کے ان نکات کو ذہن میں رکھ کر اُردو میں بعض 'پھگڑی نامے' لکھے گئے ہیں۔ ایک قدیم دکنی شاعر فریدؔ کے 'پھگڑی نامے' میں 'ذکرِ دَم' کی تعلیم دی گئی ہے۔ چشتی سلسلے کے صوفیوں میں 'ذکرِ دم' کی بڑی اہمیت ہے۔ سانس اندر لیتے وقت 'اللہ' اور خارج کرتے وقت 'ہوٗ' کا ورد اس میں کیا جاتا ہے۔ بعض صوفیا دونوں جگہ 'اللہ، اللہ' کے ورد کو روا رکھتے ہیں تو بعض صرف 'ہو، ہوٗ' پر اکتفا کرتے ہیں۔ فریدؔ نے اپنے پھگڑی نامے میں اسی ذکر کا ریاض کرایا ہے۔

فقیر اللہ شاہ نے البتہ اپنے پھگڑی نامے میں کہا ہے کہ جس طرح پھگڑی کے کھیل میں ہاتھوں کے چھوٹ جانے اور پیروں کے ڈگمگا جانے سے دور پھینکے جانے کا خدشہ رہتا ہے، اسی طرح صراطِ مستقیم پر چلتے ہوئے نفس اور شیطان کے وسوسوں سے پاؤں ڈگمگا جائیں اور اللہ کی رسّی ہاتھ سے چھوٹ جائے تو دوزخ کے عمیق گڑھے میں گر جاؤ گے۔

مراٹھی لوک ادب میں 'زاتے گیت' یعنی چکی پر گائے جانے والے گیتوں کی روایت رہی ہے۔ عورتیں بالعموم صبح کے وقت پتھر کی چکی پر اناج پیسا کرتی تھیں۔ چکی پیستے وقت تکان دور کرنے کے لیے عورتیں گیت بھی گاتیں۔ یہ لوک گیت مراٹھی شاعری کا ایک حصہ بن گئے ہیں۔ اُردو میں تعلیمِ نسواں کے لیے ہمارے صوفیائے کرام نے اسی قبیل کے گیت 'چکی نامے' کے عنوان سے لکھے ہیں۔ ان میں ایک 'چکی نامہ' خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ سے منسوب ہے۔ اس گیت میں کہا گیا ہے کہ "تن کی چکی کو شریعت کی کیل پر ایمان کے دستے کے سہارے اتنا گھماؤ کہ سوتن (شیطان) تھک جائے۔"

اس سے پتا چلتا ہے کہ عورتوں کے مزاج اور ان کی نفسیات کو پیش نظر رکھ کر ہی اس طرح کے چکی نامے لکھے گئے ہیں۔ میراں جی اور فاروقی دکنی کے چکی نامے بھی اُردو کے لوک ادب میں شمار ہو سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ تربیتِ نسواں کے لیے جس طرح مراٹھی میں 'پالنے گیت'، 'بھوپالی' وغیرہ لکھے گئے، اُردو میں 'لوری نامے'، 'جھولنا نامے'، 'سہاگن نامے' جیسی نظمیں عورتوں کی اصلاح کے لیے لکھی گئی ہیں۔ اُردو میں اس ادبی ثقافت کو مراٹھی کی تقلید کہا جا سکتا ہے۔ ان منظومات میں اگرچہ ادبیت کی کمی ہے لیکن عوامی ادب میں ان کا مقام مسلّم ہے۔

معانی و اشارات

تکیہ کرنا	بھروسا کرنا	فقر و حال	غربت، افلاس
پاسداری	بجا آوری، لحاظ	اشتراک	میل جول، شراکت داری
مستزاد	زائد	ایکجی	ایک ہی
خانقاہ	صوفیوں کی تعلیم گاہ	تُرک	مراد مسلمان
باطن	اندرون	دُئی	دو
مجلّیٰ کرنا	روشن کرنا	بھاشی	زبان
خسروانہ	شاہانہ	ورنیلا	بیان کیا گیا
جاہ و جلال	شان و شوکت	جانا	جانیے

بیخ کنی کرنا – ختم کرنا، جڑ سے اُکھاڑنا
تفوق – برتری
جیو – جی
لفظاں – دکھنی میں 'لفظ' کی جمع
رسالہ – چھوٹی کتاب، کتابچہ
خدشہ – ڈر، خوف

عمیق – نہایت گہرا
پالنے گیت – لوری نامہ
بھوپالی – بچوں کو صبح نیند سے جگانے کے لیے گایا جانے والا گیت
مسلّم – تسلیم کیا ہوا

مشقی سرگرمیاں

سبق کا بغور مطالعہ کیجیے اور سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

✻ ذیل کے بیانات میں سے صحیح بیانات کو نقل کیجیے۔

۱۔ سازگار ماحول میں ہندو، مسلمان ایک دوسرے کو سمجھنے اور ایک دوسرے کے عقیدوں کا احترام کرنے لگے تھے۔
۲۔ صوفی سنتوں نے ظاہری رنگ ڈھنگ کو روشن کرنے کی سعی کی۔
۳۔ یہ غیر مسلم بادشاہ تمام مجرموں کو شریعت کے مطابق سزا دیتے تھے۔
۴۔ شعر کا ایک مصرع مراٹھی اور دوسرا مصرع اُردو کا ہو تو اسے صنعتِ تلمیع کا شعر کہا جاتا ہے۔
۵۔ سنت تکارام مہاراج نے آپؐ کی عقیدت میں ایک نعت لکھی تھی۔

✻ ذیل کی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ مہاراشٹر میں مسلمانوں کی بود و باش کے زمانے کا تعین کیجیے۔
۲۔ صوفیوں اور سنتوں کی روحانی درس گاہوں کے نام لکھیے۔
۳۔ جس صنف میں 'ذکر دَم' کا تذکرہ ہے اُس کا نام لکھیے۔
۴۔ سبق میں مذکور کوئی چار صوفیوں کے نام لکھیے۔
۵۔ ولبھ رائے گووند کے دورِ حکومت کے پس منظر میں 'ہنر من' کی حقیقت بیان کیجیے۔
۶۔ صوفی سنتوں کے لیے استعمال کیے جانے والے دوسرے الفاظ لکھیے۔
۷۔ صوفی شاعر شیخ محمد کے شعر کا مطلب بیان کیجیے۔
۸۔ مصنف کے مطابق صنعتِ تلمیع کے استعمال کا سبب لکھیے۔
۹۔ سنت رام داس سوامی اور شاہ تراب چشتی کی کتابوں میں یکسانیت کو اُجاگر کیجیے۔
۱۰۔ مراٹھی شاعری کی کوئی دو شعری صنعتوں کے نام لکھیے۔
۱۱۔ مراٹھی زبان کے اوّلین نعت گو شاعر کا نام لکھیے۔
۱۲۔ 'چکّی نامے' کے لیے مراٹھی اصطلاح لکھیے۔
۱۳۔ اس مذہبی خیال کو بیان کیجیے جس کی عملی تعبیر پھگڑی کا کھیل ہے۔

✻ گروہ 'الف' میں مصنّفین کے نام دیے ہوئے ہیں اور گروہ 'ب' میں کتابوں کے نام ہیں۔ مناسب جوڑیاں لگائیے۔

مصنّفین	کتابیں
سیّد امین	اسطوری فکر و فلسفہ
سنت رام داس سوامی	مناچے شلوک
شاہ تراب چشتی	شکار نامہ
خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ	مجذوب السالکین
	من سمجھاون
	اُردو میں حمد و مناجات

✻ جدولی خاکہ مکمل کیجیے۔

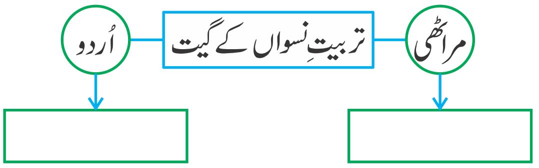

✻ سبق سے محاورے تلاش کرکے لکھیے۔

* ذیل کے لفظوں کے ہم معنی لفظ سبق سے تلاش کر کے لکھیے۔

رہائش ، مذہبی عبادات وتعزیرات ، زائد ، کمی ہونا یا نہ ہونا ، پروری ، حقی لگانا ، پیر

* خالی چوکون مکمل کیجیے۔

۱۔ مسلمان ناظم ←
۲۔ مراٹھی صوفی شاعر ←
۳۔ مراٹھی سنت شاعر ←
۴۔ مرثیہ مراٹھی ادب میں ←
۵۔ رمزیہ نظمیں ←
۶۔ ناگ پنچمی کا کھیل ←
۷۔ پھگڑی نامے کی تعلیم ←
۸۔ چکّی پر گائے جانے والے گیت ←

* ہندوستان کی تہذیب و ثقافت اور صوفی سنتوں کی تعلیم کی روشنی میں درج ذیل بیان کا استحسان کیجیے۔

"اتحاد و اتفاق کی بدولت یہاں کی ہندو مسلم ثقافت ایک دوسرے کو متاثر کرتی رہی۔ اس پر مستزاد یہاں کی رونی تعلیم جس کے سوتے صوفی سنتوں کی خانقاہوں سے پھوٹے۔ انھوں نے ظاہری رنگ ڈھنگ کو اُجالنے کی بجائے باطن کو مجلّی کیا۔"

* جس طرح پھگڑی کے کھیل میں ہاتھوں کے چھوٹ جانے اور پیروں کے ڈگمگا جانے سے دور پھینکے جانے کا خدشہ رہتا ہے، اسی طرح صراطِ مستقیم پر چلتے ہوئے نفس اور شیطان کے وسوسوں سے پاؤں ڈگمگا جائیں اور اللہ کی رسّی ہاتھ سے چھوٹ جائے تو دوزخ کے عمیق گڑھے میں گر جاؤ گے۔

اللہ کی رسّی ← صراطِ مستقیم ← نفس ←
شیطان کے وسوسے ← دوزخ

رواں خاکے کی مدد سے اس طرح استحسان کیجیے کہ درج بالا بیان واضح ہو جائے۔

* ذیل میں کہانی / واقعے کے آغاز کی ابتدائی سطریں دی ہوئی ہیں۔اس کی مدد سے کہانی / واقعے کو مکمل کیجیے۔

قومی شاہراہ پر حسبِ معمول چھوٹی بڑی گاڑیوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ اچانک پانچ سات بچوں کا قافلہ تیز رفتار بائیک پر شور کرتا ہوا آ پہنچا۔ اچانک فضا میں چیخ اُبھری ....

اضافی معلومات — **اُردو کا عوامی ادب**

عام طور پر عوامی ادب تحریری شکل میں نہیں ہوتا بلکہ سینہ بہ سینہ چلا آتا ہے۔ عوامی ادب، لوک گیت، لوک ناچ اور لوک ناٹک کسی نہ کسی صورت میں دنیا بھر کی انسانی تہذیبوں میں ضرور پائے جاتے ہیں۔ عوامی ادب کا معیار عوامی سطح کا ہوتا ہے۔ اسے معیاری ادب کے اُصولوں پر پرکھا نہیں جاتا۔ عوامی ادب میں مصنوعیت بالکل نہیں ہوتی بلکہ ذہن میں اُٹھنے والے خیالات اور دِلی جذبات فطری طور پر بیان کردیے جاتے ہیں۔ یہ ادب اصلاحی اور تفریحی قسم کا ہوتا ہے۔

مہاراشٹر کی صوبائی زبان مراٹھی میں عوامی ادب کی روایت نہایت مستحکم ہے۔ یہاں کے سنتوں نے لوک گیتوں کا سہارا لے کر عوام الناس کی اصلاح کرنے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے عورتوں کی اصلاح کے لیے زاتے گیت، پالنے گیت، بھوپالی، پھگڑی گیت وغیرہ نسوانی نفسیات کو سامنے رکھ کر لکھے ہیں۔ اُردو کے صوفیائے کرام نے بھی ایسے عوامی گیت لکھے ہیں۔ ان میں چکی پر گائے جانے والے گیت 'چکی نامے'، بچوں کو جھولے میں سُلانے کے لیے گائے جانے والے گیت 'لوری نامے'، چرخہ کاتتے وقت گائے جانے والے گیت 'چرخی نامے' کہلاتے ہیں۔ صوفیوں نے ان گیتوں میں عوامی بولی اور عوامی رہن سہن کو شامل کرنے کے جتن کیے ہیں۔ اُردو میں ڈھول کے گیت اور شادی کے موقع پر گائے جانے والے گیت اسی قبیل کے ہیں۔

درج ذیل ویب سائٹس کا مشاہدہ کیجیے۔

www.urdughar.com
www.urdurisala.com
www.urduacademyonline.com
www.urduseek.com

عملی قواعد

مرکب جملہ

☆ تحریکِ آزادی کا درخت برگ و بار لایا / تو / اس کی فصل کا لوگوں میں بٹوارا ہوا۔

☆ سیّد سلیمان ندوی لکھتے ہیں / کہ / الٰہ آباد میں کانگریس کا ایک جلسہ تھا۔

☆ انھوں نے کسی درزی سے شیروانی کی تراش سیکھ لی / اور / درزی کا قصہ ہی پاک ہوگیا۔

اوپر کی مثالوں کے جملے دو دو حصوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ ان میں الفاظ 'تو'، 'کہ'، 'اور' ترچھے خطوط کے درمیان لکھے گئے ہیں، اپنے سے پہلے اور بعد آنے والے حصوں کو جوڑتے ہیں۔ ایسے جملوں کا ہر حصہ 'آزاد فقرہ' کہلاتا ہے (اگرچہ یہ اپنی جگہ پورا جملہ بھی ہے) جب یہ آزاد فقرے حروفِ عطف (تو، مگر، کہ، اور وغیرہ) سے جوڑے جاتے ہیں تو ان سے مرکب جملہ بنتا ہے۔ آزاد فقروں کو جوڑ کر مرکب جملہ بنانے کے لیے 'پھر، ورنہ، لیکن' وغیرہ کا بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

* نیچے دیے ہوئے جملوں کو قوسین میں دیے ہوئے لفظوں سے جوڑ کر مرکب جملے بنائیے۔

۱۔ دعوت کا وقت آیا .... مہمان کے لیے ڈیوڑھی میں چٹائی بچھا دی۔
(تو ، اور ، پھر)

۲۔ تکیہ داہنی بغل میں ہے .... بائیں ہاتھ میں لوٹا ہے۔
(لیکن ، اور ، کہ)

۳۔ وہ ایک زندہ دل انسان تھے .... یہ سب عہدِ شباب کی باتیں ہیں۔
(پھر ، مگر ، تو)

۴۔ جیل تو ہزاروں لوگ گئے .... ان کی زندگی سے ہم ناواقف ہیں۔
(اور ، لیکن ، کہ)

۵۔ وہ غور و فکر کے عادی نہ تھے .... ان میں تدبر کی کمی تھی۔
(مگر ، یا ، اور)

محوِ حیرت ہوں...

آپ نے کبھی سوچا ہے کہ آپ اپنے کسی فرانسیسی دوست سے موبائل فون پر اُردو میں بات کریں اور وہ اسے فرانسیسی میں سنے یا کوئی عرب عربی میں بات کرے اور اسے آپ اُردو میں سنیں۔

اب یہ ممکن ہے! اس کے لیے آپ کو ایک خاص قسم کے ہیڈفون کا استعمال کرنا ہوگا جسے انٹرنیٹ کے سب سے بڑے سرچ انجن گوگل نے متعارف کرایا ہے۔ یہ چالیس زبانوں میں ترجمہ کرنے والا ہیڈ فون ہے۔ یہ پکسل بٹ (pixel bit) اور مصنوعی ذہانت (artificial intelligence) کے استعمال کی بدولت ایک زبان کو دوسری زبان میں ترجمہ کرنے کی خصوصیت رکھتا ہے۔ ایسا ہیڈ فون استعمال کرکے ہم کسی بھی غیر زبان کو موبائل پر آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ یہ صرف ترجمے کی حد تک محدود نہیں، اگر ہم کسی کو فون کرنا چاہیں تو موبائل ہاتھ میں پکڑنے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی؛ ہیڈ فون کے مائک میں ہدایت دیں اور وہ فون پر رابطہ قائم کردے گا۔ ہے نا دلچسپ بات!

اضافی معلومات — شجرکاری

درختوں اور جنگلات کی اندھادھند کٹائی نے ماحول کا توازن بری طرح بگاڑ دیا ہے۔ اس کی وجہ سے نہ صرف انسان بلکہ نباتات اور حیوانات کے لیے بھی کئی مسائل پیدا ہوگئے ہیں۔ اس وقت دنیا کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ گلوبل وارمنگ کا ہے۔ اس شدید بحران نے دنیا کے ہر ملک کو پریشان کر رکھا ہے اور آئے دن اس کے سدباب کے لیے جلسے منعقد ہو رہے ہیں۔ اس خطرے سے نمٹنے کے لیے ہم ہر سال شجرکاری کرتے ہیں۔ گھروں، اسکولوں اور کھیتوں میں پودے لگاتے ہیں۔ ہماری مذہبی کتابوں میں بھی شجرکاری کی ترغیب ملتی ہے۔ ہمارے نبی حضرت محمدؐ نے شجرکاری کو سراہتے ہوئے اپنی اُمّت کو درخت لگانے کی ترغیب دی ہے۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا "کوئی بھی مسلمان جو ایک درخت کا پودا لگائے یا کھیت میں بیج بوئے پھر اس میں سے پرندہ یا جانور جو بھی کھاتے ہیں وہ اس کی طرف سے صدقہ ہے۔" ایک روایت کا مفہوم ہے کہ جب کوئی کسان کھیتی کرتا ہے تو پودوں کا پتّا پتّا جب اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اس کا ثواب کھیتی کرنے والے کو ملتا ہے۔

۷۔ مظفر حنفی سے ایک ملاقات

ادارہ

پہلی بات : عام طور پر ملازمت حاصل کرنے سے پہلے انٹرویو دینا ہوتا ہے۔اس لفظ کے عام معنی آپسی گفتگو ہے۔اس قسم کے انٹرویو کے ذریعے ادارے اور کمپنیاں قابل اشخاص کا انتخاب کرتی ہیں۔ ایسے انٹرویو میں ملازمت کے امیدوار شخص کی عام معلومات، اہلیت، ذہنی استعداد اور شخصیت کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔

انٹرویو کی ایک اور قسم ہے جس کے ذریعے کسی اہم شخصیت کے کارناموں کا تعارف حاصل کرنے کے علاوہ اس کی شخصیت اور اندازِ فکر سے واقفیت حاصل کی جاتی ہے۔اس کا تعلق ملازمت سے نہیں ہوتا۔اس قسم کے انٹرویو سے ہمیں کسی شخص کے خیالات، ذہنی رجحانات اور شخصیت کا اندازہ ہوتا ہے۔انٹرنیٹ کی سہولت کے سبب انٹرویو کی کئی قسمیں وجود میں آئی ہیں۔انٹرویو میں سماجی، سیاسی، ادبی، علمی اور دینی موضوعات پر گفتگو کی جاتی ہے۔رسالے، ویڈیو کانفرنسنگ اور ٹیلی فون انٹرویو کے اہم ذرائع ہیں۔بالمشافہ گفتگو کے علاوہ سوالنامے کے ذریعے بھی انٹرویو کیے جاتے ہیں۔

جان پہچان : محمد ابوالمظفر (مظفر حنفی) یکم اپریل ۱۹۳۶ء کو کھنڈوہ (مدھیہ پردیش) میں پیدا ہوئے۔انھوں نے اُردو میں ایم اے اور پی ایچ۔ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ایل ایل بی بھی کیا۔مظفر حنفی شادؔ عارفی کے آخری شاگرد ہیں۔۱۹۷۶ء میں ان کا تقرر جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبۂ اُردو میں ہوا۔پھر ۱۹۸۹ء میں وہ کلکتہ یونیورسٹی میں 'اقبال چیئر' پروفیسر اور صدر شعبۂ اُردو مقرر ہوئے۔ وہ ۲۰۰۱ء میں وہاں سے سبکدوش ہو کر ادب کی تخلیق میں مصروف ہیں۔

اسّی سے زیادہ کتابوں کے مصنف، مرتب اور مترجم مظفر حنفی نے اُردو کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی۔انھیں کئی اکیڈمیوں اور اداروں سے انعامات مل چکے ہیں۔'پانی کی زبان، تیکھی غزلیں، کھل جا سم سم، طلسمِ شخصیات، نقد ریزے، تنقیدی ابعاد، شادؔ عارفی : شخصیت اور فن' ان کی چند اہم کتابیں ہیں۔

ملاقاتی : اپنی زندگی کے ابتدائی حالات سے متعلق کچھ بتائیں۔

مظفر حنفی : میرا بچپن، لڑکپن اور جوانی سبھی غربت و اِفلاس اور سماجی بے انصافیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے گزرے ہیں۔مختصراً عرض ہے کہ میرا پرائمری اور مڈل اسکول کا زمانہ انتہائی عُسرت میں بسر ہوا۔والد صاحب کھنڈوہ میں پرائمری اسکول کے ٹیچر تھے۔والدہ تین بیٹیوں اور ایک بیٹے کے ساتھ آبائی وطن ہسوہ (فتح پور) میں رہنے پر مُصر تھیں۔کھنڈوہ سے دس روپے کا منی آرڈر ہر مہینے آتا تھا جس میں ہم پانچ نفر مہینے بھر تنگی ترشی میں بسر کرتے تھے۔اس افلاس کے زمانے میں مڈل اسکول کے امتحان میں بورڈ کے پچیس ممتاز طلبہ کی فہرست میں میرا نام بھی تیسرے مقام پر تھا۔اس دوران والد صاحب ملازمت سے سبکدوش ہوگئے۔میں ۱۹۵۲ء میں کانپور چلا گیا جہاں بہت تکلیفیں جھیل کر دو برس تک ملازمت کی تلاش میں بھٹکنے اور ناکام رہنے کے بعد بھوپال میں مڈل اسکول ٹیچر کی ملازمت ملی۔تقرر دور دراز کے جنگلی اور دلدلی علاقے میں ہوا۔متعصب اور تنگ نظر افسروں کی زیادتیوں کے خلاف احتجاجاً تین برس بعد میں نے استعفیٰ دے دیا۔والدین کی خواہش کے مطابق میں نے دوبارہ ملازمت کی۔ پھر میری شادی ہوگئی۔چودہ برس تک محکمۂ جنگلات

میں کلرک رہ کر ایم اے، ایل ایل بی اور پی ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔قلیل تنخواہ میں والدین اور بہنوں کی کفالت کے ساتھ اپنے بیوی بچوں کی پرورش کے لیے خاصے پاپڑ بیلنے پڑے۔

ملاقاتی : آپ نے رسائل کے لیے کب لکھنا شروع کیا؟ آپ کی ابتدائی تخلیقات کہاں شائع ہوئیں؟

مظفرحنفی : کہانیاں اور داستانیں پڑھنے کا میرا شوق لڑکپن ہی میں جنون کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ تیرہ برس کی عمر میں عین امتحان کے زمانے میں والدمرحوم نے 'طلسمِ ہوش ربا' پڑھتے ہوئے مجھے پکڑ لیا۔ خاصی سرزنش کی اور یہ بھی کہا کہ ایسا ہی شوق ہے تو پڑھ لکھ کر اس لائق بنو کہ تمھاری تحریریں دوسرے پڑھیں۔ چنانچہ اسی وقت سے چل میرے خامے بسم اللہ ... دہلی سے بچوں کا رسالہ 'کھلونا' نیا نیا جاری ہوا تھا۔ بچوں کے لیے میرے تحریر کردہ لطیفے، کہانیاں، نظمیں اسی پرچے میں چھپیں۔ پھر 'پھلواری' (دہلی)، 'ٹافی، کلیاں' (لکھنؤ)، 'دوست' (کراچی) اور ہند و پاک کے دوسرے بچوں کے رسالوں کے لیے میں نے خوب خوب لکھا۔ مقامِ شکر ہے کہ حکومتِ ہند کی مطبوعہ درسی کتابوں سے لے کر دیگر گئی ریاستوں کی درسی کتابوں میں میری تخلیقات شامل ہیں۔ میں اب بھی بچوں کے لیے نظمیں وغیرہ لکھتا رہتا ہوں۔

ملاقاتی : بچوں کے ادب میں کون سی خصوصیات ضروری ہیں؟

مظفرحنفی : ہم اپنے بچوں کو جادوگروں، پریوں اور آسیبوں کی کہانیاں بہت سنا چکے، آج کے بچوں میں بھی کچھ یقیناً ایسے ہوں گے جنھیں جادوئی کہانیاں پسند ہوں گی۔ ہندوستان کی تقریباً ہر زبان میں ایسی تخلیقات پہلے ہی سے موجود ہیں۔ آج بچوں کا ادب تخلیق کرنے والوں کو اپنے موضوعات اپنے آس پاس کی زندگی کے مختلف گوشوں سے منتخب کرنے ہوں گے جن میں میرے بیان کردہ مسائل یا ان سے ملتے جلتے ہزاروں دوسرے مسائل شامل ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ موجودہ ہندوستان کا بچہ جو پچھلی صدی کے بچوں سے کہیں زیادہ ذہین اور باشعور ہے، محض کوہِ قاف اور طلسماتی کہانیوں ہی سے دلچسپی رکھتا ہو۔

ملاقاتی : اگر ایسا ہے تو آپ کے خیال میں آج کل کے بچوں کے لیے کس قسم کے موضوعات پر بچوں کا ادب لکھا جانا چاہیے؟

مظفرحنفی : گزشتہ برسوں میں راکیش شرما کی خلائی مہم میں بچوں نے جس گہری دلچسپی کا مظاہرہ کیا، وہی میرے خیال کا منہ بولتا جواب ہے کہ آج بچے مصنوعی سیّاروں، روبوٹ، کمپیوٹر اور پَن ڈُبیوں کو وہی درجہ دیتے ہیں جو کل ماضی میں دیوؤں اور پریوں کو حاصل تھا۔ آج کے بچے کا کوہِ قاف خلا ہے اور پرستان انٹارکٹکا ہے۔ کوئی بھی موضوع، خواہ وہ سماجی برائیوں سے تعلق رکھتا ہو یا کوہ پیمائی سے، وہ سائنسی مہم ہو یا جنگ جوئی، بذاتِ خود دلچسپ نہیں ہوا کرتا۔ اسے دلچسپ بناتا ہے ہمارا برتاؤ اور سلیقہ۔ البتہ مقصدی کہانیاں لکھتے ہوئے ہمیں اس نکتے کو ضرور ملحوظ رکھنا ہوگا کہ بچہ براہِ راست اخلاقیات اور پند و نصیحت کا درس سننا پسند نہیں کرتا۔ یہ کڑوی گولیاں اسے اسکول اور گھر میں کافی کھلائی جا چکی ہیں۔ کہانیوں کی کتابوں اور رسالوں کا سہارا وہ تفریح کی غرض سے لیتا ہے۔ چنانچہ ہمارے فنکاروں کو اپنے مقاصد شہد و شکر میں لپیٹ کر پیش کرنے ہوں گے۔ مجھے سوفی صد یقین ہے کہ ایسی مقصدی کہانیاں اور ادب جن میں بچوں کی دلچسپی کا وافر سامان بھی موجود ہوگا، واضح نصیحتوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ کارگر ثابت ہوں گے اور ان ہی کے بطن سے ایک

صاف سُتھرا، پرسکون، ترقی یافتہ روشن ہندوستان برآمد ہوگا۔

ملاقاتی : دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں میں بچوں کے ادب کی فنی وتدریسی صورتِ حال کیا ہے؟

مظفرحنفی : دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں بہت سی زبانیں رائج ہیں۔ میں ان سے واقف نہیں ہوں البتہ انگریزی سے یاد اللہ ہے اوراس میں ادبِ اطفال کا انتہائی عمدہ اور معیاری ذخیرہ موجود ہے جو پیش کش کے لحاظ سے بھی بہت دلکش ہے۔

ملاقاتی : ہمارے نامور ادیبوں اور شاعروں نے بچوں کا ادب تخلیق کیا تھا، آج ہمارے مشہور قلم کار اس طرف توجہ کیوں نہیں دیتے؟

مظفرحنفی : کوئی ایسا شاعر نہیں جس نے بچوں کے لیے ادب تخلیق نہ کیا ہو۔ میرؔ، سوداؔ وغیرہ کے علاوہ غالبؔ نے تو بچوں کے لیے 'قادِر نامہ' بھی لکھا ہے۔ ان کے بعد اقبالؔ کو لیجیے۔ اقبالؔ نے بچوں کے لیے کتنی اچھی نظمیں لکھی ہیں۔ آگے چلیں تو فیضؔ، کرشن چندر اور عصمت چغتائی ہیں۔ پھر حفیظؔ جالندھری، احمد ندیم قاسمی، مرزا ادیب، قرۃ العین حیدر کے نام مجھے یاد آرہے ہیں۔ ان کے جو دوسرے کارنامے ہیں، ان کی جانب لوگوں نے خوب توجہ کی لیکن ادبِ اطفال کو اپنی بنیاد بنانے والے ادبا وشعرا کو اس لائق نہیں سمجھا گیا کہ ان پر کچھ لکھا جائے۔ ادبِ اطفال کی جانب نئے لکھنے والے اس لیے بھی کم مائل ہوتے ہیں کہ وہاں سے حاصل کچھ نہیں ہوتا۔

ملاقاتی : بچوں کے غیر لسانی ادب مثلاً کارٹون، ویڈیوز، اینی میشن فلمیں وغیرہ کی تعلیمی اہمیت کیا ہے؟ یہ بچوں کی کردار سازی میں کس حد تک مفید ہیں؟

مظفرحنفی : بے شک تدریسی کام میں یہ سب بہت معاون ہیں البتہ کردار سازی کے ساتھ یہ چیزیں بعض منفی اثرات بھی پیدا کرتی ہیں۔ بچے اکثر کامکس کے بہت عادی ہوجاتے ہیں۔ اس طرح پڑھنے لکھنے کا انھیں وقت نہیں ملتا اور صحت پر بھی بُرا اثر پڑتا ہے اس لیے ان کے دیکھنے یا پڑھنے میں توازن ضروری ہے۔

ملاقاتی : ٹیلی وِژن اور موبائل فون کو ادب کے لیے ایک چیلنج تصوّر کیا جارہا ہے۔ لوگ اور خاص طور پر طلبہ کتابوں سے دور ہوتے جارہے ہیں۔ اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

مظفرحنفی : ٹیلی وِژن اور موبائل فون وغیرہ صرف ادب کے لیے ہی نہیں، پورے پرنٹ میڈیا کے لیے چیلنج بنے ہوئے ہیں۔ آپ کی تشویش درست ہے۔ پچھلے لوگ کہتے تھے چور کو نگہبان بنا دینے سے چوریاں رُک جاتی ہیں۔ ایسا کچھ کیا جائے کہ تدریس وتعلیم کے لیے الکٹرانک میڈیا ہی میں زیادہ سے زیادہ گنجائش پیدا کی جائے۔

ملاقاتی : اُردو ادبِ اطفال میں آپ کا حصہ کیا اور کتنا ہے؟

مظفرحنفی : نثر میں کہانیوں کے میرے تین مجموعے 'نیلا ہیرا، بندروں کا مشاعرہ، حلوہ چور'، بچوں کی نظموں کے چھے مجموعے 'کھیل کھیل میں، نرسری کے گیت، چٹخارے، مزے دار نظمیں، بچوں کے لیے، بول میری مینا' شائع ہوچکے ہیں۔

ملاقاتی : بچوں کے ادب کی ترقی کے لیے کون سے اقدامات ضروری ہیں؟

مظفرحنفی : بچوں کے لیے لکھتے وقت مصنف کو خود بچہ بن جانا چاہیے یعنی بچوں کی نفسیات سے اس کا بخوبی واقف ہونا ضروری

ہے۔مصنّف کا مطالعہ، مشاہدہ اور تجربہ بھی وسیع اور متنوّع ہو۔ وہ تحریر میں بچوں کی دلچسپی کا وافر مواد مہیا کرے۔ ظرافت سے بھرپور کام لے۔ قدیم لوک کہانیوں اور داستانوں کو دورِ حاضر کی سائنسی ایجادات سے آمیز کرکے ادب تخلیق کیا جائے تو کارآمد نتائج برآمد ہوں گے۔ اُردو میں نرسری رائمز کی سخت کمی ہے، لکھنے والوں کو اس طرف مائل کرنا چاہیے۔ دیکھا جارہا ہے کہ زیادہ تر اساتذہ ہی بچوں کے لیے نصیحتوں کی پوٹ جیسی کہانیاں اور نظمیں لکھتے ہیں۔ بڑے اور مستند شاعروں اور ادیبوں کی ادبِ اطفال کی تخلیق میں شرکت لازمی ہے۔ بچوں کے لیے شاعری کرنے والوں کے مشاعرے ہونے چاہئیں۔ بچوں کے لیے لکھنے والوں کو ٹیلی وِژن اور ریڈیو پر زیادہ مواقع فراہم کرنا چاہئیں۔

ملاقاتی : اُردو زبان کے طلبہ و طالبات کو آپ کیا پیغام دینا چاہیں گے؟

مظفر حنفی : کامیابی کے لیے محنت، خوب محنت کی ضرورت ہے، اور کوئی شارٹ کٹ تلاش کرنا بے کار ہے۔ ہر ناکامی عارضی ہوتی ہے اور زیادہ کوشش کرنے کی نصیحت کرتی ہے۔ اللہ بڑا منصف ہے۔

ملاقاتی : بچوں کے لیے لکھی گئی اپنی کوئی نمائندہ نظم عنایت فرمائیں۔

مظفر حنفی : لیجیے سنیے۔

دس روپے فی بوتل پانی — ہکّا بکّا رہ گئی نانی
اپنا بچپن یاد کیا تو — ارزانی سی تھی ارزانی
بارہ آنے سیر اصلی گھی — گیارہ آنے تولہ چاندی
کیلے تھے دو پیسے درجن — چاول پانچ آنے پنسیری
بائیسکوپ ٹکٹ ایک آنہ — ایک اَٹھنّی کا پاجامہ
اسکولوں میں فیس نہیں تھی — کالج دو روپے ماہانہ
نانا کی تنخواہ جو پوچھی — کل پینتالیس روپیا نکلی
پینتالیس ہزار کے لگ بھگ — پاتے ہیں ابّو اور امّی

معانی و اشارات

عسرت	غربت، افلاس
نفر	شخص
پاپڑ بیلنا	مشکلات کا سامنا کرنا
یاد اللہ ہونا	تعلق ہونا
سرزنش کرنا	برا بھلا کہنا، سختی سے ڈانٹنا
خامہ	قلم
جانفشانی	سخت محنت
مستحکم	مضبوط
کفالت	پرورش کی ذمے داری
چولا بدلنا	بھیس بدلنا
وافر	بہت زیادہ مقدار میں
نرسری رائمز	کم عمر بچوں کے لیے گیت

مشقی سرگرمیاں

* 'جان پہچان' کا مطالعہ کرکے ذیل کا شجری خاکہ مکمل کیجیے۔

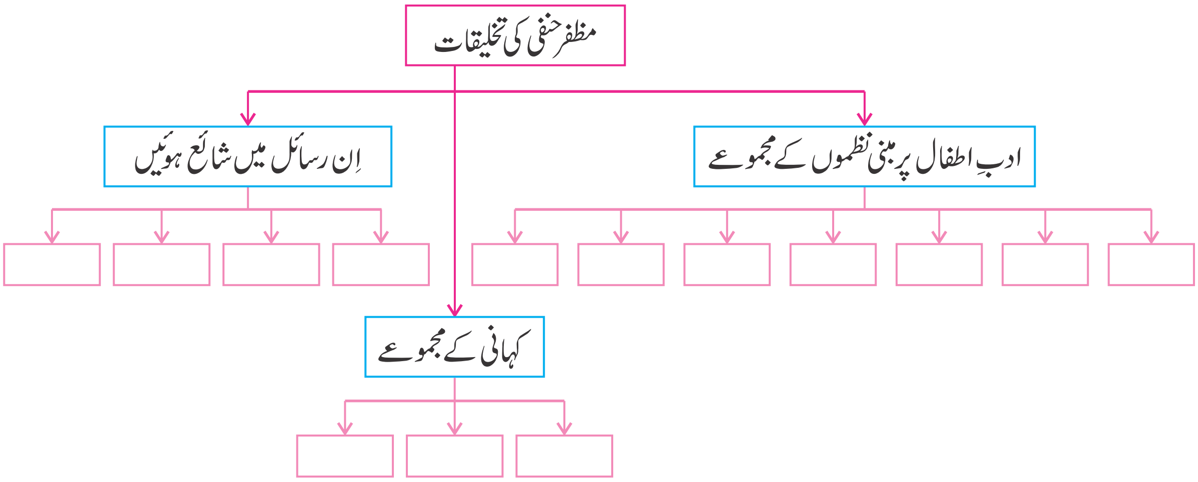

* سبق پڑھ کر ذیل کے رواں خاکے مکمل کیجیے۔

۱۔

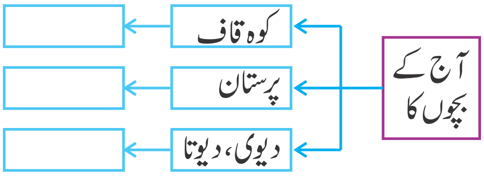

۲۔

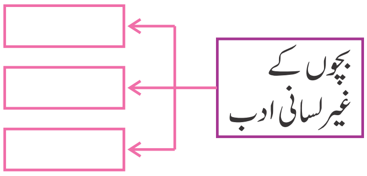

* ذیل کی سرگرمیاں ہدایت کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ اُس امتحان کا نام لکھیے جس میں مظفرحنفی نے ممتاز طلبہ میں تیسرا مقام حاصل کیا۔

۲۔ اس مقام کا نام لکھیے جہاں مظفرحنفی نے پرائمری اور مڈل اسکول کی تعلیم مکمل کی۔

۳۔ اس مقام کا نام لکھیے جہاں سے مظفرحنفی نے تدریسی خدمات کا آغاز کیا۔

ذیل کے بیانات سے صحیح متبادل کو الگ کرکے لکھیے۔

۱۔ مظفرحنفی کے ملازمت سے استعفیٰ دینے کی وجہ ...

(i) تقررجنگلی اور دلدلی علاقے میں ہوا تھا۔

(ii) تنخواہ بہت کم تھی۔

(iii) افسروں کے سلوک کے خلاف احتجاج تھا۔

۲۔ مظفرحنفی کے مطابق آج کل کے بچے صرف ...

(i) روبوٹ اور کمپیوٹر کی کہانیوں میں دلچسپی نہیں رکھتے۔

(ii) کامک اور کارٹونی کہانیوں میں دلچسپی نہیں رکھتے۔

(iii) کوہِ قاف اور طلسماتی کہانیوں میں دلچسپی نہیں رکھتے۔

* ذیل کی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ ادبِ اطفال کے ادیبوں کو مظفرحنفی نے جو نصیحتیں کی ہیں، ان میں سے کسی دو کو بیان کیجیے۔

۲۔ اس سبق میں آئے ہوئے بچوں کے ادیبوں میں سے کسی ایک کا نام اور ان کی کسی تصنیف کا نام لکھیے۔

۳۔ بچوں کا ادب شائع کرنے والے دو رسالوں اور ان کے مدیروں کے نام لکھیے۔

۴۔ 'ٹیلی وژن اور موبائل ادب کے لیے چیلنج ہیں' اس بیان پر اپنی رائے دیجیے۔

۵۔ مظفرحنفی کی نظم کے مرکزی خیال کو واضح کیجیے۔

* سبق میں استعمال کیے ہوئے دو محاوروں کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کیجیے کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے۔

* مظفرحنفی کی زندگی کے ابتدائی حالات اپنے لفظوں میں لکھیے۔

* بچوں کے ادب کی خصوصیات سبق کی روشنی میں لکھیے۔

* ٹیلی وِژن اور موبائل تعلیم کے لیے مفید ہیں یا مضر؟ اپنی رائے تحریر کیجیے۔

* غیر لسانی ادب کے منفی اثرات لکھیے۔
* سبق میں آئے ہوئے انگریزی الفاظ کی فہرست بنائیے۔
* "والد مرحوم نے 'طلسم ہوش ربا' پڑھتے ہوئے مجھے پکڑ لیا۔ خاصی سرزنش کی۔" وجہ لکھیے۔
* "بچوں کے لیے لکھتے وقت مصنف کو خود بچہ بن جانا چاہیے۔" اس جملے کی وضاحت کیجیے۔
* صحیح متبادل کا انتخاب کر کے جملہ مکمل کیجیے۔

۱۔ میرا بچپن، لڑکپن اور جوانی سبھی غربت و افلاس اور .... بے انصافیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے گزرے ہیں۔
(خاندانی ، سماجی ، معاشرتی)

۲۔ میرا پرائمری اور مڈل اسکول کا زمانہ انتہائی .... میں بسر ہوا۔ (عسرت ، عجلت ، حسرت)

۳۔ .... کے زمانے میں مڈل اسکول کے امتحان میں بورڈ کے ممتاز طلبہ کی فہرست میں میرا نام تھا۔
(افلاک ، افلاس ، اخلاص)

۴۔ قلیل تنخواہ میں والدین اور بہنوں کی .... کے ساتھ بیوی بچوں کی .... کے لیے خاصے پاپڑ بیلنے پڑے۔
(کفالت ، سہولت ، پرورش ، ورزش)

* فقرے کے لیے ایک لفظ لکھیے، مثلاً

ادب لکھنے والا ← ادیب

۱۔ ترتیب دینے والا ← [ ]
۲۔ تصنیف کرنے والا ← [ ]
۳۔ تحریر کرنے والا ← [ ]
۴۔ ترجمہ کرنے والا ← [ ]

* لاحقہ 'ساز' اور سابقہ 'نا' لگا کر چار چار مرکب الفاظ بنائیے۔
* مثال کے مطابق واحد کی جمع اور جمع کی واحد لکھیے۔

مثال: صنف : اصناف

۱۔ سلف : [ ]
۲۔ [ ] : اطفال
۳۔ [ ] : افکار

انٹرویو/ مکالمہ

* آپ کے شہر میں منعقدہ 'اُردو کتاب میلہ' میں بچوں کی کتاب (ادبِ اطفال) کے اسٹال پر دکاندار اور طالب علم کے درمیان ہونے والے مکالمے کو تحریر کیجیے۔
* یومِ مطالعہ کے موقع پر اسکولی تقریب کے مہمانِ خصوصی ادیب الاطفال سے اُردو زبان، کتابوں اور مطالعے سے متعلق انٹرویو لیجیے۔

تحریری سرگرمی

* نکات کی مدد سے 'میری پسندیدہ کتاب' پر مضمون لکھیے۔

کتاب کا نام - مصنف کا نام - موضوع - پسندیدگی کی وجہ

سرگرمی / منصوبہ

۱۔ غالبؔ کی مشہور نظم 'قادر نامہ' حاصل کر کے پڑھیے۔
۲۔ بچوں کے چند رسالوں کے بارے میں لکھیے۔
۳۔ علامہ اقبالؔ کی بچوں کے لیے لکھی گئی نظموں کو تلاش کر کے پڑھیے اور اپنی پسندیدہ نظم لکھ کر تبصرہ کیجیے۔

عملی قواعد

فقرہ

اس سبق میں آپ نے ایک نظم بھی پڑھی ہے۔اس نظم میں آنے والے چند الفاظ یہ ہیں :

- دس، پانی، بچپن، تو، ارزانی، آنے
- اصلی، سی، تولہ، کیلے، چاول
- ٹکٹ، پاجامہ، کا، فیس، نانا، جو، کل
- نکلی، ہزار، ہیں، کے، اور، امی

اگر ان لفظوں کو ہم پڑھیں تو چند لفظوں کے معنی ہم اچھی طرح جانتے ہیں (دس، پانی، بچپن، نانا، امی وغیرہ) اور چند الفاظ (تو، سی، کا، جو، کے وغیرہ) بے معنی معلوم ہوتے ہیں۔ پہلے قوسین میں دیے گئے 'الفاظ' ہیں اور دوسرے قوسین میں دیے گئے 'حروف' ہیں۔ زبان الفاظ کا مجموعہ ہوتی ہے۔ اگر دی گئی مثال کی طرح الفاظ بے ترتیب رہیں تو لفظوں کے معنی تو ہم جان لیں گے لیکن اس مجموعے سے کوئی معنی ہماری سمجھ میں نہیں آئیں گے۔ البتہ ان میں سے چند الفاظ اگر ایک خاص ترتیب میں آئیں تو ان کے کچھ معنی سمجھ میں آسکتے ہیں جیسے

- دس روپے کے چاول
- اصلی ٹکٹ
- امّی کے نانا وغیرہ

لفظوں کے ان مجموعوں میں پورے معنی واضح نہیں ہوتے۔ لفظوں کے ایسے مجموعے جن میں الفاظ ایک خاص ترتیب میں آئیں لیکن ان سے پوری بات سمجھ میں نہ آئے تو انھیں 'فقرہ' کہتے ہیں۔

اوپر کی مثالوں میں آنے والے فقروں سے چونکہ پوری بات سمجھ میں نہیں آتی اس لیے انھیں 'فقرۂ ناقص' کہا جاتا ہے۔

ذیل میں دیے گئے فقروں کو غور سے پڑھیے۔

- آپ کی دعا سے/ خدا حافظ/ زمانہ خراب ہے/ بس زبان چلتی ہے
- چلیے، بات ختم/ خدا نہ کرے/ ہائے اللہ وغیرہ

ان میں کچھ فقرے نامکمل اور کچھ فقرے مکمل جملے ہیں۔ فقروں کی دوسری قسم کا استعمال ہم اپنی زبان میں ہمیشہ کرتے رہتے ہیں اس لیے انھیں **روزمرہ** کہا جاتا ہے۔

* **پڑھے گئے اسباق سے روزمرہ کی دس مثالیں تلاش کیجیے۔**

***

گزشتہ جماعتوں میں آپ محاورے کے تعلق سے پڑھ چکے ہیں جو فقرے کی تیسری قسم ہے۔ ذیل میں محاوروں کی چند مثالیں درج کی جاتی ہیں۔ ان پر غور کیجیے :

چار چاند لگانا، ٹس سے مس نہ ہونا، ہوا سے باتیں کرنا،
ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دینا، قسم کھانا، باتیں بنانا، رونا رونا وغیرہ۔

آپ جانتے ہیں کہ محاورہ کیا ہوتا ہے۔ آپ محاوروں کو اپنے جملوں میں استعمال بھی کرتے ہیں۔ اوپر کی مثالوں میں دیکھیے کہ تمام محاورے افعال کی صورت میں یعنی لگانا، ہونا، کرنا، دینا، کھانا، بنانا، رونا جیسے لفظوں پر ختم ہوتے ہیں۔ یہ محاورے کی پہچان ہے کہ ہمیشہ کسی فعل کی مصدری

حالت میں ختم ہوتا ہے۔ ان کے معنی لفظوں کے عام معنی سے الگ ہوتے ہیں جیسے اوپر کی مثال میں پہلا محاورہ دیکھیے۔ اس میں تین الفاظ 'چار، چاند، لگانا' شامل ہیں۔ چار ایک عدد ہے، چاند بھی آپ نے دیکھا ہے اور لگانا فعل کے معنی سے آپ واقف ہیں لیکن یہ الفاظ جب محاورہ بناتے ہیں تو اب ان کے مجموعی معنی ہوتے ہیں: عزّت بڑھانا۔ **محاورہ** فقرے کی تیسری قسم ہے۔

* **مثال میں دیے گئے محاوروں کے معنی لغت سے معلوم کرکے انھیں اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کیجیے کہ ان کے معنی واضح ہوجائیں۔**

***

کہاوت یا ضرب المثل کے بارے میں بھی آپ گزشتہ جماعتوں میں پڑھ چکے ہیں۔ یہ فقرے کی چوتھی قسم ہے۔ چند مثالیں:

جہاں چاہ، وہاں راہ / کوا چلا ہنس کی چال اپنی چال بھی بھولا / اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے / ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا / آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا

کہاوت کا استعمال بات میں زور پیدا کرنے کے لیے کیا جاتا ہے لیکن اس کے استعمال میں اس سے پہلے ایک ایسا خیال بیان کرنا ضروری ہے جس کی مثال میں کہاوت کہی جاسکے۔

* **ذیل کے بیانات کو پڑھ کر ان کی مثال میں بولی جانے والی کہاوت اوپر کی مثالوں سے چن کر لکھیے۔**

۱۔ ایک بچہ پڑھ لکھ کر ڈاکٹر بننا چاہتا تھا۔ اس نے اپنی تعلیم پوری کرنے کے لیے ہر مشکل کا سامنا کیا اور ایک دن وہ ایک کامیاب ڈاکٹر بن ہی گیا۔

۲۔ میں یہ کام تو کرسکتا ہوں مگر اس کام کو پورا کرنے کے لیے آپ جو اوزار مجھے دے رہے ہیں، وہ پرانے اور ٹوٹے ہوئے ہیں۔ نئے اوزار ہمارے گاؤں میں نہیں ملتے اس کے لیے تو ممبئی جانا پڑے گا۔ آپ اوزار لے آئیے ورنہ مشکل ہے۔

* **اپنے استاد کی مدد سے کسی لغت سے کہاوتیں تلاش کیجیے جس سے ذیل کے معنی نکلتے ہیں:**

- ایک مصیبت سے نکل کر دوسری مصیبت میں پڑ جانا۔
- ہر آدمی کی اپنی صلاحیت دوسرے سے الگ ہوتی ہے۔
- ایک مقصد حاصل کرنا ہے مگر اس کے لیے ابھی بہت وقت درکار ہے۔

اضافی معلومات

طلسمِ ہوشربا

آپ نے الہ دین اور اس کے جن کی کہانیاں پڑھی ہوں گی۔ سندباد جہازی کے سفر کی کہانیاں بھی آپ نے پڑھ رکھی ہیں۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ کہانیاں عربی کی مشہور داستان 'الف لیلہٰ' سے لی گئی ہیں۔ دنیا کی تقریباً ہر اہم زبان میں اس داستان کے ترجمے ہوئے ہیں۔ اس کی کہانیوں پر فلمیں اور ٹی وی سیریل بھی بنے ہیں۔ ایسی ہی ایک داستان 'طلسم ہوشربا' ہے۔ یہ داستان بہت طویل یعنی ہزاروں صفحات پر پھیلی ہے۔ اس کی تالیف منشی محمد حسین جاہ نامی داستان گو نے ۱۸۸۰ء میں کی اور اگلے گیارہ برسوں یعنی ۱۸۹۱ء تک اس کی چار جلدیں لکھیں۔ ان کے بعد ۱۸۹۷ء میں ایک اور داستان گو احمد حسین قمر نے اس میں مزید دو جلدوں کا اضافہ کیا۔ یہ داستان اُردو ادب کی مشہور ترین داستان اور قصہ گوئی کا ایک نادر نمونہ ہے۔ 'طلسم ہوشربا' جادوئی قصوں اور کرداروں کے حیرت انگیز کارناموں سے بھری ہوئی ہے۔ اس کے اہم کرداروں میں امیر حمزہ، عمرو عیّار، افراسیاب، ملکہ حیرت جادو وغیرہ شامل ہیں جن کے جادوئی کرشمے پڑھنے والوں کو دنگ کردیتے ہیں۔ اس داستان میں زبان کی چاشنی، معلومات کی رنگارنگی، ادب کی تقریباً تمام اہم اصناف کی مثالیں اور واقعات کی حیرت آفرینی کے جلوے دِکھائی دیتے ہیں۔

EM47V1

۸۔ جلتے پروں سے اُڑان

ساجد رشید

پہلی بات : ہمارے اطراف پائے جانے والے طبعی اور حیاتیاتی حالات کو ماحول کہتے ہیں۔ تمام جاندار اور بے جان اشیا ماحول میں شامل ہیں۔ ماحول میں توازن کے قائم رہنے کے لیے ہر جز کا مخصوص تناسب میں پایا جانا ضروری ہے۔ ماحول کے توازن میں معمولی بگاڑ بھی تمام مخلوقات پر اثر انداز ہوتا ہے۔ انسان کے مختلف اعمال و افعال ماحول میں خرابی کا باعث بنتے ہیں۔ بڑھتی آبادی، جنگلات کی کٹائی، عمارتوں کی تعمیر، صنعتوں کی ترقی، ایٹمی بھٹیاں اور ٹی وی اور موبائل ٹاور سے خارج ہونے والی لہروں وغیرہ سے نباتات، حیوانات و جمادات پر مضر اثرات پڑتے ہیں۔

جان پہچان : ساجد رشید ۱۱؍ مارچ ۱۹۵۵ء کو بلرام پور (یوپی) کے ایک گاؤں سگڈ یہوا میں پیدا ہوئے۔ ان کا شمار ۱۹۷۰ء کے بعد اُبھرنے والے معروف افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ وہ افسانے میں مقصدیت اور نظریے دونوں کے قائل تھے۔ ان کے افسانے سیاسی اور سماجی شعور سے بھرے نظر آتے ہیں۔ 'ریت گھڑی'، 'نخلستان میں کھلنے والی کھڑکی'، 'ایک چھوٹا سا جہنم' اور 'ایک مردہ سر کی حکایت' ان کے افسانوی مجموعے ہیں۔ انھیں ساہتیہ اکیڈمی کے انعام برائے ترجمہ اور 'کتھا ایوارڈ' سے نوازا گیا تھا۔ ساجد رشید ایک بے باک اور اصول پسند صحافی تھے۔ ان کے مضامین 'زندگی نامہ' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ انھوں نے 'نیا ورق' نام کا ایک ادبی رسالہ بھی جاری کیا۔ ۱۱؍ جولائی ۲۰۱۱ء کو ممبئی میں اُن کا انتقال ہوا۔

ریشم جیسے ملائم اور دھنک جیسے رنگین پروں سے سر نکال کر پرندے نے جب اپنے بازوؤں کو پھڑپھڑایا تو ان پر ٹھہرے اوس کے ننھے قطرے مشرق کی بھوری پہاڑیوں سے جھانکتے سورج کی کرنوں سے دمک اُٹھے، جیسے پگھلے سونے کا فوارہ پھوٹ پڑا ہو۔ اس نے اپنی سرخ چونچ کھول کر فرحت بخش ہوا سینے میں بھری اور بڑی تازگی محسوس کی۔ پھر سر جھٹک کر آس پاس دیکھا۔ سب کچھ وہی تھا اور کتنا دلکش!

سورج کی نارنجی کرنوں سے تمتماتی بھوری پہاڑیاں، پہاڑیوں کے پیروں کو دھوتی گہرے نیلے پانیوں والی ندی، دوسری جانب ندی میں گرتا دودھ جیسا جھرنا، کنارے پر بکھرا مخمل سا سبزہ اور ان پر جھلملاتی اوس کی بوندیں، خود رو پودوں پر منڈلاتی خوش رنگ تتلیاں، چھوٹے چھوٹے پتنگے، دائیں طرف تازہ سبز پتوں سے ڈھکا گھنا جنگل، پیڑوں کی لچکدار مضبوط شاخوں پر پھدکتی چڑیاں اور ان کی چہکار، سرمئی نم مٹی پر رینگتی چیونٹیاں، معصوم آنکھوں والے ہرنوں کا جھنڈ..... سب کچھ وہی تھا اور کتنا دلکش!

چڑیوں کی چہکار، جھرنے کی جھر جھر، ہوا کے بہاؤ پر بہتی ندی کی کلکلاہٹ، سوکھے پتوں کی کھڑکھڑاہٹ، ندی کے کنارے صبح کی پہلی دھوپ سینکتے مینڈکوں کی ٹرٹراہٹ، پیڑوں کے تنوں پر چڑھتی اُترتی گلہریوں کی چِکچِکاہٹ، سفید جھینگروں کی سیٹیاں اور ہم آغوش ہوتی لچکیلی شاخوں کی سرسراہٹ۔ ان آوازوں کی نغمگی سے سارا عالم گونج رہا تھا..... سب کچھ وہی تھا اور کتنا دلکش!

پرندے نے سینہ پھلا کر آسمان کو دیکھا: بے داغ آسمان آج بھی اتنا ہی نیلا اور چمکدار تھا جتنا کل تھا۔ اس نے تنکوں سے بنے اپنے خوب صورت گھونسلے پر الوداعی نظر ڈالی اور دانے دُنکے کی تلاش میں پر پھڑپھڑاتا اُڑ گیا۔ اُڑا اور اُڑتا گیا: اوپر..... اوپر..... بہت

اوپر.....۔

ٹھیک پرندے کے سر پر آ کر سورج نے اسے معمول کے مطابق ایک سبزہ زار میں اُترنے پر مجبور کر دیا۔ دور تک سبزہ تھا اور اس قدر دانے بکھرے پڑے تھے کہ پرندے کو ہمیشہ کی طرح آج بھی سوچنا پڑا..... ''کہاں سے شروع کیا جائے؟''

دانا چگتے چگتے وہ سیر ہو گیا۔ اب اس نے دیکھا کہ اس کا سایہ قدموں تلے نہیں ہے بلکہ کچھ لمبا ہو گیا ہے۔ اس نے مٹی میں چونچ رگڑ کر قریب کی ندی سے ٹھنڈا پانی پیا اور پھر ایک بار ہوا کو چیرتا فضا میں اُڑتا چلا گیا۔ دانوں سے بھاری پیٹ کو ہلکا کرنے کے لیے یہ اس کا معمول تھا۔ اسے ہر اُڑان پر یوں محسوس ہوتا جیسے وہ بس ابھی چمکتے نیلے آسمان کو چوم لے گا۔ آسمان کو چومنے کی یہ خواہش اسے اوپر ہی اوپر لیے چلی جاتی۔ آسمان ابھی بہت دور تھا اور پروں میں تھکن رینگنے لگی تھی۔ اس نے آسمان کو چھونے کا فیصلہ ہمیشہ کی طرح کل پر ٹالا اور نیچے اُترنے لگا۔

پرندے نے جب سر کو خم کر کے نیچے پھیلی ہوئی دنیا کو دیکھنا چاہا تو اچانک اس کی پرواز تھم گئی۔ اس کا ننھا سا دل دھک سے رہ گیا۔ نیچے سارے میں سیاہی مائل دھند پھیلی ہوئی تھی۔ ایسی دھند کہ پیڑ پودے، ندی نالے، پہاڑ، جھرنے اور میدان جانے کہاں کھو گئے تھے۔ کیا یہ سویرے کی دھند ہے؟ لیکن سویرا ابھی کیسے چلا آیا؟ اور پھر سویرے کی دھند تو بڑی خوش گوار ہوتی ہے۔ وہ ایسی کثیف اور مٹ میلی تو نہیں ہوتی اور پھر اس میں خنکی بھی تو ہوتی ہے .....تو پھر یہ کیا ہے؟..... دھواں اس کی آنکھوں میں جلن پیدا کرنے لگا تھا۔ پروں پر اپنے چھوٹے سے جسم کا توازن برقرار رکھتے ہوئے جب وہ دھویں کے کثیف بادل میں اُترا تو اس کے سینے میں چنگاریاں اُتر گئیں۔ پھیپھڑوں میں دھواں پتھر ہو گیا اور حلق میں چیونٹیاں کاٹنے لگیں۔ سینے میں اُمنڈتے دھویں کی اذیت اور اُکھڑتی سانس سے گھبرا کر اس نے بے اختیار چونچ کھول دی۔ مگر تکلیف سے نجات تو کیا ملتی، سینے کی جلن اور بڑھ گئی۔ بالآخر وہ دھویں کی کثیف چادر کو چیر کر نیچے کھلے میں چلا آیا، یہاں گھٹن کچھ کم تھی۔

پرندہ تھک کر چور ہو چکا تھا۔ سینے میں درد ریت کے ذرّے کی طرح چبھ رہا تھا۔ بازو ایسے شل ہو رہے تھے جیسے انھیں جاڑا مار گیا ہو۔ وہ اب کسی پیڑ کی شاخ پر بیٹھ کر ستانا چاہتا تھا۔ اس نے تھکن سے بوجھل آنکھوں سے نیچے دیکھا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ اس کے وجود میں ننھا سا دل جیسے اپنی دھڑکن بھول گیا۔ اسے ایک لمحے کے لیے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آیا۔ اس نے بازوؤں کو جلدی جلدی حرکت دی اور کچھ اور نیچے اُتر آیا۔ مگر منظر نہیں بدلا، کچھ اور واضح ہو گیا۔ ''یہ سب کیا ہے؟'' اس نے سوچا اور سوچ کر تڑپ اُٹھا۔ آنکھوں نے جو کچھ بھی دیکھا، وہ پرندے کے لیے حیرت انگیز تھا۔ سورج کے ڈھیر ہونے تک سارا عالم کیسے بدل گیا؟ کہاں ہیں وہ پیڑ، پودے، سبزہ زار؟ کہاں ہیں وہ ندیاں، نالے، جھرنے؟ کہاں ہیں وہ غار، ٹیلے، پہاڑ؟ کہاں ہیں وہ ہرن، وہ چیونٹیاں، وہ مینڈک؟ آخر یہ سب کہاں گئے؟

جنگلوں، پہاڑوں اور ندیوں کی جگہ اب آسمان سے سر ٹکراتی، سیسہ پلائی عمارتیں کھڑی تھیں۔ سیکڑوں ایکڑ میں پھیلی اسلحہ ساز فیکٹریاں تھیں۔ بڑے بڑے راڈار تھے۔ دیوپیکر ایٹمی تجربہ گاہیں تھیں۔ سینہ تانے ٹی وی ٹاور کھڑے تھے۔ بڑی بڑی دوربینیں تھیں۔ برقی تاروں کا ایک جال تھا اور ایک کنارے پر ترتیب سے بنی ایٹمی بھٹیاں تھیں جن کی کشادہ چمنیاں دھواں اور زہر اُگل رہی تھیں۔

اسلحہ ساز فیکٹریوں اور ایٹمی بھٹیوں سے گاڑھا کالا دھواں ہاتھیوں کی طرح جھومتا ہوا نکلتا اور فضا میں چادر کی طرح تن جاتا۔کل کا نیلا شفاف آسمان اب یوں دِکھائی دے رہا تھا جیسے اس پر کالی کالی گرد جم گئی ہو۔آسمان پر رینگتی اس سیاہی سے خوفزدہ ہو کر پرندہ اپنے گھونسلے میں اُترنے کے لیے بے چین ہو گیا۔ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ وہ سورج بجھنے کے بعد اپنے گھونسلے کو لوٹا ہو۔یہ پہلا موقع تھا کہ وہ اندھیرے میں گِھر کر رہ گیا تھا۔

تھکن سے ٹوٹتے ہوئے پنکھوں سے پرندہ کچھ اور نیچے آیا تو فضا میں دوڑتے مواصلاتی پیغامات اس کے پروں سے اُلجھ اُلجھ کر پرواز میں رکاوٹیں پیدا کرنے لگے۔تھکن اس کے بازوؤں میں سوئیوں کی طرح چبھ رہی تھی اور اس کو اپنا وجود ناقابلِ برداشت بوجھ محسوس ہونے لگا تھا۔اس نے پھولتی سانسوں کے درمیان سر کو خم کر کے اندھیرے میں ڈوبتے لوہے، سیمنٹ اور کنکریٹ کے پہاڑوں کو دیکھا۔کوئی پیڑ، کوئی شاخ، کوئی سبز پتا؟ کہیں کچھ بھی نہیں! اُف، یہ میں کس جہان میں آ پھنسا! کیا میری پرواز اتنی اونچی تھی کہ میں اپنی حدود سے باہر نکل آیا؟ مجھے لوٹنا ہوگا۔مگر بازوؤں سے اُٹھتی ٹیس اس کے ارادے پر بجلی بن کر گری۔

اب تو بس چند ہی لمحوں کی پرواز کی سکت ہے مجھ میں، اس کے بعد تو مجھے کہیں اُترنا ہی ہوگا۔

مگر کہاں؟

اس نے نیچے دیکھا۔ ہر طرف وہی بدلا ہوا منظر۔

ٹی وی ٹاور تھا جو غیر مرئی مناظر کو منتشر کر رہا تھا ... یہاں بھی نہیں!

بڑے بڑے نیون سائن بورڈ ٹنگے ہوئے تھے ... یہاں بھی نہیں!

سیمنٹ کنکریٹ کے اسکائی اسکریپر منہ چڑا رہے تھے ... یہاں بھی نہیں!

اسلحہ ساز فیکٹریوں کی چمنیاں دھواں اُگل رہی تھیں ... یہاں بھی نہیں!

کائنات کے سارے اسرار سے واقف دیو پیکر دوربینیں تھیں ... یہاں بھی نہیں!

آگ اور زہر اُگلتی بڑی بڑی ایٹمی بھٹیاں تھیں ... نہیں، یہاں بھی نہیں!

تب کہاں؟ سوچ کر وہ لرز گیا۔

کیا میں واپس لوٹ سکوں گا، اُن ندیوں، پہاڑوں اور جنگلوں کو جہاں سے میں اُڑا تھا؟ کیا اب میں اپنے نرم نرم گھونسلے میں اُتر سکوں گا؟

کیا اب کبھی نیلے آسمان کی وسعت میں تیرتے ہوئے میں نظروں کی آخری سرحد تک پھیلے گھاس کے میدان کا نظارہ کر سکوں گا؟

میری پیاس بجھانے کو کیا وہ ٹھنڈا پانی مل سکے گا؟

گھنے درختوں کی چھایا میں ستاتے کسی ہرن کی پیٹھ پر بیٹھ کر کیا میں اس کی گردن کو گدگدا سکوں گا؟

کیا نم مٹی میں اپنے پنجوں کے نشان دیکھ سکوں گا؟

سوالات نے خوف میں ڈھل کر پرندے کو بدحواس کر دیا۔ کسی پیڑ کی زندہ شاخ کو پانے کے لیے اس نے زناٹے سے ایک غوطہ لگایا اور ایک دیو پیکر عمارت کی کھڑکی کے مضبوط شیشے سے جا ٹکرایا۔ پھر تو وہ کسی ڈوبتے جہاز کی طرح گاڑھے کالے دھویں میں گھری عمارتوں کی نہ جانے کتنی کھڑکیوں سے سر ٹکراتا پھرا مگر اسے واپسی کا راستہ نہ ملا۔ اب اس کے حواس جواب دے چکے تھے۔ وہ تھکن اور خوف سے کانپتے جسم کو سنبھال نہ سکا اور ایک ایٹمی بھٹی کے عین منہ پر اپنا توازن کھو بیٹھا۔ زہر نے پھیپھڑوں میں کانٹے بوئے اور شعلوں نے اس کے پروں کو چاٹ لیا اور گرد آلود تاریک آسمان پر دور تک ایک روشن لکیر پھیلتی چلی گئی۔ جب آگ پروں کو جلاتی اس کے دل تک پہنچی تب پرندے نے تڑپ کر نیچے اُگے لوہے، آگ اور دھویں کے جنگل پر آخری نگاہ ڈال کر سوچا، ”کیا یہ میری آخری پرواز ہے؟ کیا اس سفاک ٹھوس زمین میں سے کوئی بیج اپنی ننھی سبز بانہوں سے سیمنٹ کنکریٹ کے پہاڑوں کو چیر کر تناور درخت بننے کے لیے سر نہیں نکالے گا.....؟“

وہ سارے ماہرینِ فلکیات جن کی آنکھیں بڑی بڑی دوربینوں میں گڑی رہتی ہیں اور جو کائنات میں نمودار ہونے والے ایک ایک ستارے کی خبر رکھتے ہیں، وہ عین اپنے سر پر ایک پرندے کے وجود کے خاک ہو کر فضا میں بکھرنے کے حادثے سے لاعلم ہی رہے۔

معانی و اشارات

خود رَو	بذاتِ خود اُگنے والا	جاڑا مارنا	سردی ہو جانا
کثیف	گاڑھا، دبیز	نیون سائن بورڈ	رنگین روشنی کے بورڈ
شل ہونا	سُن ہو جانا	اسکائی اسکریپر	فلک بوس عمارت

مشقی سرگرمیاں

سبق پڑھ کر ہدایت کے مطابق سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

* شکلی خاکہ مکمل کیجیے۔

ساجد رشید کے افسانوی مجموعوں کے نام

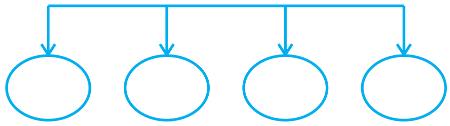

* مثال کے مطابق خالی چوکون میں مناسب آوازیں لکھیے۔

مثال: چڑیوں کی	-	چہچہاہٹ
ندی کی	-	
پتوں کی	-	
مینڈک کی	-	
گلہریوں کی	-	
جھینگروں کی	-	
شاخوں کی	-	

* جملوں کو بغور پڑھ کر ان واقعات کے پیش آنے کا وقت لکھیے۔

۱۔ پرندے نے جب اپنے بازوؤں کو پھڑپھڑایا تو ان پر ٹھہرے اوس کے ننھے قطرے مشرق کی بھوری پہاڑیوں سے جھانکتے سورج کی کرنوں سے دمک اُٹھے۔

۲۔ ٹھیک پرندے کے سر پر آ کر سورج نے اسے معمول کے مطابق ایک سبزہ زار میں اُترنے پر مجبور کر دیا۔

۳۔ اب اس نے دیکھا کہ اس کا سایہ قدموں تلے نہیں بلکہ کچھ لمبا ہو گیا ہے۔

۴۔ نیچے سارے میں سیاہی مائل دھند پھیلی ہوئی تھی۔ ایسی دھند کہ پیڑ پودے، ندی نالے، پہاڑ جھرنے اور میدان جانے کہاں کھو گئے تھے۔

۵۔ آنکھوں نے جو کچھ بھی دیکھا وہ پرندے کے لیے حیرت انگیز تھا۔ سورج کے ڈھیر ہونے تک سارا عالم کیسے بدل گیا۔

٦۔ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ وہ سورج بجھنے کے بعد اپنے گھونسلے کو لوٹا ہو۔

* **پہلی جوڑی کا تعلق پہچان کر دوسری جوڑی مکمل کیجیے۔**

۱۔ سرخ : چونچ :: نیلا : ....

۲۔ سرمئی : مٹی :: سفید : ....

۳۔ نارنجی : کرنیں :: سیاہی مائل : ....

* **قوسین میں دیے ہوئے الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پُر کیجیے۔**

۱۔ اس نے تنکوں سے بنے اپنے خوب صورت گھونسلے پر ....نظر ڈالی۔
(الوداعی / آخری / طائرانہ)

۲۔ جب وہ دھویں کے .... بادل میں اُترا تو اس کے سینے میں چنگاریاں اُتر گئیں۔
(گھنے / کثیف / سیاہ)

۳۔ وہ اب کسی پیڑ کی شاخ پر بیٹھ کر ....چاہتا تھا۔
(پچھتانا / سونا / ستانا)

۴۔ تھکن اس کے بازوؤں میں .... کی طرح چبھ رہی تھی اور اس کو اپنا وجود ناقابلِ برداشت بوجھ محسوس ہونے لگا۔ (سوئی / کانٹے / ریت)

۵۔ سوالات نے .... میں ڈھل کر پرندے کو بدحواس کردیا۔ (ہراس / ڈر / خوف)

* **دیے ہوئے پیراگراف (اقتباس) کا خلاصہ لکھیے۔**

پرندے نے جب سر کو خم کرکے نیچے پھیلی ہوئی دنیا کو دیکھنا چاہا تو اچانک اس کی پرواز تھم گئی۔ .... بالآخر وہ دھویں کی کثیف چادر کو چیر کر نیچے کھلے میں چلا آیا۔ یہاں گھٹن کچھ کم تھی۔

* **سبق کی روشنی میں پرندے کی صبح کی اوّلین اُڑان کی منظرکشی اپنے الفاظ میں کیجیے۔**
* **پرندے کے ذہن میں آنے والے سوالات کی وضاحت کیجیے۔**
* **آخری پرواز کے وقت پرندے کے ذہن میں آنے والے اندیشوں کو بیان کیجیے۔**
* **زمین کے بدلتے منظر کو پرندے کے الفاظ میں لکھیے۔**

* **دیے ہوئے نکات کی مدد سے 'پرندے کی سرگزشت' لکھیے۔**

سخت موسم ...... پانی کی تلاش ...... درختوں کی کمی ...... اونچی اونچی بلڈنگیں ...... بجلی کے تار ...... موبائل ٹاورس ...... صنعتوں کی چمنیاں ...... آلودہ فضا ...... دوپہر سے شام ...... تھک کر چور ہونا ...... اونچی بلڈنگ کی ٹیرس پر گرنا ...... بچے کا اُٹھانا ...... پرندے کا پیغام

* **دیے ہوئے موضوع سے متعلق اتفاقِ رائے یا اختلافِ رائے لکھیے۔**

ہم آلودگی کے ذمہ دار ہیں

سرگرمی/منصوبہ

۱۔ علم فلکیات سے متعلق معلومات جمع کیجیے۔

۲۔ انٹرنیٹ سے دوربین کی تصویریں اور معلومات جمع کیجیے۔

عملی قواعد

مخلوط جملہ

ذیل کے جملوں کو پڑھ کر ان کے اجزا پر غور کیجیے۔

- جب وہ دھویں کے کثیف بادلوں میں اُترا / تو اس کے سینے میں چنگاریاں اُتر گئیں۔
- پرندے نے جب نیچے پھیلی ہوئی دنیا کو دیکھا / تو اس کی پرواز تھم گئی۔
- ایک کنارے پر ایٹمی بھٹیاں تھیں / جن کی کشادہ چمنیاں دھواں اُگل رہی تھیں۔
- یہ پہلا موقع تھا / کہ وہ اندھیرے میں گھر کر رہ گیا تھا۔

ان جملوں میں ترچھے خط لگانے سے جملے دو فقروں میں تقسیم ہوگئے ہیں۔ پہلے دو جملوں میں لفظ 'جب' والا فقرہ **'تابع فقرہ'** کہلاتا ہے۔ بعد کے فقرے جو 'تو' سے شروع ہوتے ہیں، انھیں **'خاص فقرہ'** کہتے ہیں۔

بعد کے دو جملوں میں خاص فقرے پہلے آئے ہیں اور ترچھے خط کے بعد کے فقرے تابع فقرے ہیں۔

* **پڑھے ہوئے اسباق سے مخلوط جملوں کی دو مثالیں تلاش کر کے لکھیے۔**

۹۔ دسترخوان

وزیر آغا

پہلی بات : دسترخوان بچھا کر کھانا کھانے کا طریقہ بہت قدیم ہے اور ہماری تہذیب کا حصہ بھی۔ یہ ایک سماجی عمل ہے۔ اس عمل کا وقت انسان کے لیے اہم ہوتا ہے۔ اس طرح کھانا کھانے میں آپس میں خلوص، اُنسیت اور قربت پیدا ہوتی ہے۔ ہم ایک دوسرے کی باتیں زیادہ توجہ سے سن سکتے ہیں۔
دسترخوان بچھا کر کھانے میں ایک فائدہ یہ ہے کہ اگر ایک دو افراد کا اضافہ بھی ہو جائے تو دسترخوان پر جگہ نکل آتی ہے۔ ذیل کے انشائیے میں وزیر آغا نے کھانا کھانے کے عمل اور دسترخوان کو تہذیبی پس منظر میں رکھ کر اپنے منفرد خیالات پیش کیے ہیں۔

جان پہچان : وزیر آغا ۸/ مئی ۱۹۲۲ء کو وزیر کوٹ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ’اُردو میں طنز و مزاح نگاری‘ کے موضوع پر مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ماہنامہ ’ادبی دنیا‘ میں معاون مدیر کی حیثیت سے خدمات انجام دینے کے بعد انھوں نے اپنا ادبی رسالہ ماہنامہ ’اوراق‘ جاری کیا۔ وزیر آغا کا شمار صفِ اوّل کے ناقدین میں ہوتا ہے۔ انھوں نے انشائیے اور مضامین لکھے اور شاعری بھی کی۔ اُردو میں انشائیے کو ایک صنف کے طور پر قائم کرنے والوں میں ان کا نام سرِفہرست ہے۔ ’خیال پارے، بارھواں کھلاڑی‘ اور ’چوری سے یاری تک‘ ان کے انشائیوں کے مجموعے ہیں۔ ان کے انشائیوں کا کلیات ’پگڈنڈی‘ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ ’ادب میں طنز و مزاح، نظم جدید کی کروٹیں، آدھی صدی کے بعد، شام کی منڈیر سے‘ اور ’انشائیہ کے خدوخال‘ ان کی تصانیف ہیں۔

ایک زمانہ تھا کہ لوگ فرش پر دسترخوان بچھاتے، آلتی پالتی مار کر بیٹھتے اور ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھانا کھاتے۔ پھر جو زمانہ بدلا تو ان کے نیچے کرسیاں اور سامنے میز بچھ گئی جس پر کھانا چن دیا جاتا۔ پہلے وہ سر جوڑ کر کھاتے تھے، اب سروں کے درمیان فاصلہ نمودار ہوا اور روبرو بیٹھا ہوا شخص مدمقابل نظر آنے لگا۔ مگر زمانہ کبھی ایک حالت میں قیام نہیں کرتا۔ چنانچہ اب کی بار جو اس نے کروٹ بدلی تو سب سے پہلے پلیٹ کو ہتھیلی پر سجا کر اور سروقد کھڑے ہو کر طعام سے ہم کلام ہونے کی روایت قائم ہوئی۔ پھر ٹہل ٹہل کر اس پر طبع آزمائی ہونے لگی۔ انسان اور جنگل کی مخلوق میں جو ایک واضح فرق پیدا ہو گیا تھا کہ انسان ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھانے لگا تھا جبکہ جنگلی مخلوق چراگاہوں میں چرتی پھرتی تھی اور پرندے دانے دُنکے کی تلاش میں پورے کھیت کو تختۂ مشق بناتے تھے، اب باقی نہ رہا اور مدتوں کے بچھڑے ہوئے سینہ چاکانِ چمن ایک بار پھر اپنے عزیزوں سے آ ملے۔

اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ کیا ہماری تہذیب کا گراف نیچے سے اوپر کی طرف گیا ہے تو میں کہوں گا کہ بے شک ایسا ہرگز نہیں ہوا ہے کیونکہ ہم نے فرش پر چوکڑی مار کر بیٹھنے کی روایت ترک کر کے، کھڑے ہو کر اور پھر چل کر کھانا کھانے کے وتیرے کو اپنا لیا ہے جو چرنے اور دانہ دنکا چگنے ہی کا ایک جدید روپ ہے۔ کسی بھی قوم کے اوپر جانے یا نیچے آنے کا منظر دیکھنا مقصود ہو تو یہ نہ دیکھیے کہ اس کے قبضۂ قدرت میں کتنے علاقے اور خزانے آئے یا چلے گئے، فقط یہ دیکھیے کہ اس نے طعام اور شرکائے طعام کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

بچپن کی بات ہے۔ ہمارے گاؤں میں ہر سال کپڑا بیچنے والے پٹھانوں کی ایک ٹولی وارد ہوتی تھی۔ یہ لوگ سارا دن گاؤں گاؤں پھر کر کپڑا بیچنے کے بعد شام کو مسجد کے حجرے میں جمع ہوتے اور پھر وہ زمین پر کپڑا بچھا کر دائرے کے انداز میں بیٹھ جاتے۔ درمیان میں شوربے سے بھری ہوئی پرات بحرالکاہل کا منظر دِکھاتی جس میں گوشت کی بوٹیاں ننھے منے جزیروں کی طرح اُبھری ہوئی

دِکھائی دیتیں۔ وہ ان بوٹیوں کو احتیاط سے نکال کر ایک جگہ ڈھیر کر دیتے اور شوربے میں روٹیوں کے ٹکڑے بھگو کر ان کا ملیدہ سا بنانے لگتے۔ جب ملیدہ تیار ہو جاتا تو شرکائے طعام پوری دیانت داری کے ساتھ آپس میں بوٹیاں تقسیم کرتے اور پھر اللہ کا پاک نام لے کر کھانے کا آغاز کر دیتے۔ وہ کھانا رُک رُک کر، ٹھہر ٹھہر کر کھاتے مگر بغیر رُکے بے تکان بولتے۔ مجھے ان کے کھانا کھانے کا انداز بہت اچھا لگتا تھا۔ میں انھیں دیکھتا اور خوش ہوتا۔ وہ بھی مجھے دیکھ کر خوش ہوتے اور برادرانہ محبت میں لتھڑا ہوا ایک آدھ لقمہ میری طرف بھی بڑھا دیتے۔ ان میں سے جب ایک شخص لقمہ مرتب کر لیتا تو پہلے اپنے قریبی ساتھیوں کو پیش کرتا اور ادھر سے 'جزاک اللہ' کے الفاظ وصول کرنے کے بعد اپنے منہ میں ڈالتا۔ محبت اور بھائی چارے کا ایک ایسا لازوال منظر آنکھوں کے سامنے اُبھرتا کہ میں حیرت زدہ ہو کر انھیں بس دیکھتا ہی چلا جاتا اور تب میں دسترخوان پر کھانا کھانے کے اس عمل کا اپنے گھر والوں کے طرزِ عمل سے موازنہ کرتا تو مجھے بڑی تکلیف ہوتی کیونکہ ہمارے گھر میں صبح و شام ہانڈی تقسیم کرنے والی بڑی خالہ کے گرداگرد بچوں کا ایک ہجوم جمع ہو جاتا۔ مجھے یاد ہے، جب بڑی خالہ کھانا تقسیم کر رہی ہوتیں تو ہماری حریص آنکھیں ہانڈی میں ڈوئی کے غوطے لگانے اور پھر وہاں سے برآمد ہو کر ہمارے کسی سنگی ساتھی کی رکابی میں اُترنے کے عمل کو ہمیشہ شک کی نظروں سے دیکھتیں۔ اگر کسی رکابی میں نسبتاً بڑی بوٹی چلی جاتی تو بس قیامت ہی آ جاتی۔ ایسی صورت میں خالہ کی گرجدار آواز کی پروا نہ کرتے ہوئے ہم بڑی بوٹی والے کی تکا بوٹی کرنے پر تیار ہو جاتے اور چھینا جھپٹی کی اس روایت کا ایک ننھا سا منظر دِکھاتے جو نئے زمانے کے تحت اب عام ہونے لگی ہے۔

اس زمانے میں کبھی کبھار ایک انگریز افسر بھی والد صاحب سے گھوڑے خریدنے آ جاتا۔ والد صاحب اس کے لیے میز کرسی لگواتے، انگریزی کھانا تیار کرواتے اور پھر گھنٹوں اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ ہمیں اس سے بہت ڈر لگتا تھا اس لیے ہم اکثر کھڑکی کی جالی کے ساتھ چہرہ لگا کر اسے کھانا کھاتے ہوئے دیکھتے اور حیران ہوتے کہ صاحب بہادر کھانا کھا رہا ہے یا آپریشن کر رہا ہے۔ وہ اپنی پلیٹ میں ایک اُبلا ہوا آلو لے کر بیٹھ جاتا اور پھر چھریوں اور کانٹوں سے گھنٹوں اس کے پرخچے اُڑاتا رہتا۔ یوں لگتا جیسے وہ میدانِ جنگ میں کھڑا ہے۔ آلو اس کا دشمن ہے جسے وہ اپنے اسلحے کی مدد سے زیر کرنے میں مصروف ہے۔ وہ جو کھانے کے معاملے میں رواداری، مفاہمت اور لطف اندوزی کا رویہ ہوتا ہے اس انگریز افسر میں مجھے قطعاً نظر نہ آیا۔

سچی بات تو یہ ہے کہ دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھانے کی روایت ہمارا عزیز ترین ثقافتی ورثہ تھا۔ اب یہ روایت اوّل تو کہیں نظر ہی نہیں آتی اور کہیں نظر آ جائے تو مارے شرمندگی کے فی الفور خود میں سمٹ جاتی ہے۔ حالانکہ اس میں شرمندہ ہونے کی قطعاً کوئی بات نہیں۔ بلکہ میں کہوں گا کہ دسترخوان پر بیٹھنا ایک تہذیبی اقدام ہے جب کہ کھڑے ہو کر کھانا ایک نیم وحشی عمل ہے مثلاً یہی دیکھیے کہ جب آپ دسترخوان پر بیٹھتے ہیں تو دائیں بائیں یا سامنے بیٹھے ہوئے شخص سے آپ کے برادرانہ مراسم فی الفور استوار ہو جاتے ہیں۔ آپ محسوس کرتے ہیں جیسے چند ساعتوں کے لیے آپ دونوں ایک دوسرے کی خوشیوں، غموں اور بوٹیوں میں شریک ہو گئے ہیں۔ چنانچہ جب آپ کے سامنے بیٹھا ہوا آپ کا کرم فرما دریادلی اور مروّت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی پلیٹ کا شامی کباب آپ کی رکابی میں رکھ دیتا ہے تو جوابِ آں غزل کے طور پر آپ بھی اپنی پلیٹ سے مرغ کی ٹانگ نکال کر اسے پیش کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد کھانا کھانے کے دوران لین دین کی وہ خوشگوار فضا از خود قائم ہو جاتی ہے جو ہماری ہزاروں برس کی تہذیب کا مظہر ہے۔ ایک لحظہ کے لیے بھی یہ خطرہ محسوس نہیں ہوتا کہ سامنے بیٹھا ہوا شخص آپ کا مدِمقابل ہے اور اگر آپ کی ذرا بھی آنکھ جھپکی تو وہ آپ کی پلیٹ پر

ہاتھ صاف کر جائے گا۔ دسترخوان کی یہ خوبی ہے کہ اس پر بیٹھتے ہی اعتماد کی فضا بحال ہوجاتی ہے اور آپ کو اپنا شریکِ طعام حد درجہ شریف دِکھائی دینے لگتا ہے۔ دوسری طرف کسی بھی بوفے ضیافت کا تصوّر کیجیے تو آپ کو نفسا نفسی اور چھینا جھپٹی کی فضا کا احساس ہوگا اور ڈارون کا 'جہدللبقا' کا نظریہ بالکل سچا اور برحق نظر آئے گا۔

دسترخوان کی ایک اور خوبی اس کی خود کفالت ہے۔ جب آپ دسترخوان پر بیٹھتے ہیں تو اس یقین کے ساتھ کہ آپ کی جملہ ضروریات کو بے طلب پورا کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ سامنے دسترخوان پر ضرورت کی ہر چیز موجود ہے حتیٰ کہ اچار، چٹنی اور پانی کے علاوہ خلال تک مہیا کر دیے گئے ہیں۔ دسترخوان پر بیٹھنے کے بعد اگر آپ کسی کو مدد کے لیے بلانے پر مجبور ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو میزبان نے حقِ میزبانی ادا نہیں کیا یا مہمان نے اپنے منصب کو نہیں پہچانا۔

دسترخوان کی خوبی یہ ہے کہ وہ زمین کے سینے سے چمٹا رہتا ہے تاکہ وہ براہِ راست زمین سے اس کی پراسرار قوت کشید کر سکے۔ جب آپ دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں تو اس کی غذائیت ہزار گنا بڑھ جاتی ہے جب کہ میز کرسی پر یا چل پھر کر کھانا کھائیں تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ اس کھانے میں وہ برقی رو موجود نہیں جو زمین کی شریانوں سے دسترخوان کی قوسوں اور پھر وہاں سے انسان کی رگوں میں بغیر کسی رکاوٹ کے پہنچتی ہے۔

دسترخوان آپ کو زمین کے لمس ہی سے آشنا نہیں کرتا بلکہ اُنگلیوں کے لمس سے بھی متعارف کرواتا ہے۔ چھری کانٹے یا چمچے سے کھانا کھانے میں وہ لطف کہاں جو ہاتھ سے کھانے میں ہے۔ اس میں دوہرا لطف ہے؛ ایک تو اس چیز کا لطف جو کھائی جا رہی ہے، دوسرے اُنگلیوں کا لمس۔

دسترخوان ہی پر آپ کو پہلی بار اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ ہر کھانے والے کی زبان، تالو، دانت اور ہونٹ کھانے کے دوران مل جل کر ایک ایسی مخصوص آواز نکالتے ہیں جو نہ صرف دوسری آوازوں سے مختلف ہوتی ہے بلکہ جس میں کھانے والے کی ساری شخصیت سمائی ہوتی ہے۔ کسی شخص کے اصل کردار سے آشنا ہونا ہو تو کھانے کے دوران اس کے منہ سے برآمد ہونے والی آوازوں پر کان دھریں کیونکہ ہر شخص کے اندر کی ساری شرافت یا خباثت اس کے کھانے کی آواز ہی میں مضمر ہوتی ہے۔

سچی بات تو یہ ہے کہ دسترخوان پر پوری دلجمعی سے بیٹھ کر کھانا کھانے اور بوفے ضیافت میں انتہائی سراسیمگی کے عالم میں کھانا زہر مار کرنے میں وہی فرق ہے جو محبت اور ہوس میں ہے، خوشبو اور بدبو میں ہے، صبح کی چہل قدمی اور سوگز کی دوڑ میں ہے۔

معانی و اشارات

نمودار ہونا	-	ظاہر ہونا، عیاں ہونا
مدمقابل	-	مخالف
سرو قد کھڑا ہونا	-	سیدھا کھڑا ہونا
ہم کلام ہونا	-	بات کرنا، مخاطب ہونا
تختۂ مشق بنانا	-	کسی مقصد کے لیے کسی چیز کو بار بار استعمال کرنا
سینہ چاکانِ چمن	-	مراد عاشق
ترک کرنا	-	چھوڑ دینا
وتیرہ	-	طریقہ
شرکا	-	شریک کی جمع، شرکت کرنے والے
وارد ہونا	-	حاضر ہونا
حریص	-	لالچی

پرخچے اُڑنا - پرزہ پرزہ ہونا
فی الفور - فوراً
مراسم - تعلقات
استوار ہوجانا - قائم ہوجانا
بوفے ضیافت - ایسی دعوت جس میں کھانے والے پلیٹوں میں خودکھانا لے کراکثر کھڑے کھڑے کھاتے ہیں۔
جہدللبقا - زندہ رہنے کے لیے جدوجہد

خباثت - بُرائی
مضمر - چھپا ہوا
سراسیمگی - گھبراہٹ
جوابِ آں غزل - مراد ایک بات کے جواب میں دوسری بات کہنا
زہر مار کرنا - نہ چاہتے ہوئے کھانا
کشید کرنا - حاصل کرنا، کھینچنا

مشقی سرگرمیاں

✻ سبق کا بغور مطالعہ کیجیے اور سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ کھانے کے طریقوں میں ذیل کی تبدیلیوں کو ترتیب وار لکھیے :
(i) پلیٹ ہتھیلی پر سجادی گئی
(ii) آلتی پالتی مار کر کھانا
(iii) ٹہل ٹہل کر ہم کلام ہوتے ہوئے کھانا
(iv) سر جوڑ کر کھانا

۲۔ دسترخوان پر بیٹھتے ہی ہونے والے پہلے فائدے کو اپنے لفظوں میں بیان کیجیے۔

۳۔ تہذیبی گراف کے اوپر جانے سے مصنف کے اختلاف کا سبب تحریر کیجیے۔

۴۔ بحرالکاہل اور ننھے منے جزیروں کے مرادی معنی لکھیے ۔

۵۔ پٹھانوں کے کھانا کھانے کے طریقے میں اسلامی روایات تلاش کرکے لکھیے ۔

۶۔ مصنف کو پٹھانوں کے کھانے کا انداز پسند آنے کی وجہ تحریر کیجیے۔

۷۔ بڑی خالہ کے کھانا تقسیم کرتے وقت پیش آنے والا واقعہ قلمبند کیجیے۔

۸۔ کھانے کے تہذیبی عمل اور نیم وحشی عمل کے فرق کو واضح کیجیے۔

۹۔ ”دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا ہماری ہزاروں برس کی تہذیب کا مظہر ہے۔“ سبق کے حوالے سے ثابت کیجیے۔

۱۰۔ سبق میں ذکر کیے گئے جسمانی اعضا کے نام تلاش کرکے لکھیے ۔

۱۱۔ ”صاحب بہادر کھانا کھا رہا ہے یا آپریشن کررہا ہے۔“ جملے کے مفہوم کو واضح کیجیے۔

✻ ذیل کے جملوں کے مطابق صحیح متبادل لکھیے :

الف۔ دسترخوان پر بیٹھتے ہی ....
(i) نفسانفسی کی فضا بحال ہوجاتی ہے۔
(ii) ڈارون کا نظریہ سچ نظر آنے لگتا ہے۔
(iii) اعتماد کی فضا بحال ہوجاتی ہے۔

ب۔ انگریزی کھانے کے طریقے میں ....
(i) تہذیب وثقافت کا رویہ ہوتا ہے۔
(ii) مفاہمت اور رواداری کا رویہ ہوتا ہے۔
(iii) جنگ وجدال کا رویہ ہوتا ہے۔

ج۔ کسی شخص کے اصل کردار سے آشنا ہونا ہو تو ....
(i) پلیٹ اور پلیٹ میں کھانے کی مقدار پر نظر رکھیں۔
(ii) منہ سے نکلنے والی آوازوں پر کان دھریں۔
(iii) کھانے کے دوران اس کی حرکات پر نظر رکھیں۔

د۔ دسترخوان پر بیٹھنے کے بعد مددگار کو بلانے کا مطلب ہے.....
(i) میزبان میزبانی کا حق ادا نہیں کرسکا۔
(ii) دسترخوان پر کسی چیز کی کمی تھی۔
(iii) مددگاروں نے کوتاہی برتی ہے۔

✻ ذیل کے الفاظ کو لغوی ترتیب میں لکھیے :

وطن ، وصف ، واضح ، وارد

* ذیل کے جملوں سے مفرد، مرکب اور مخلوط جملوں کی شناخت کرکے لکھیے۔

الف۔ دسترخوان کی ایک اور خوبی اس کی کفالت ہے۔
ب۔ یہ بچپن کی بات ہے۔
ج۔ ایک لحظہ کے لیے بھی یہ خطرہ محسوس نہیں ہوتا کہ آپ کے سامنے بیٹھا شخص آپ کا مدِمقابل ہے۔
د۔ وہ اپنی پلیٹ میں ایک اُبلا ہوا آلو لے کر بیٹھ جاتا ہے اور پھر چھریوں کانٹوں سے گھنٹوں اس کے پرخچے اُڑاتا رہتا ہے۔

* ذیل سے غیر متعلق لفظ الگ کیجیے :

(i) خوشبوں ، بوٹیوں ، جذبوں ، غموں
(ii) سروقد ، وحشی ، محبت ، حریص

* سبق سے دو ایسے جملے تلاش کرکے لکھیے جن میں متضاد الفاظ آئے ہیں۔

* سبق میں 'رُک رُک کر، ٹھہر ٹھہر کر' فقرے آئے ہیں۔ اس طرح کے مزید دو فقرے لکھیے۔

* دیے ہوئے موضوع سے متعلق اتفاقِ رائے یا اختلافِ رائے لکھیے۔

روٹی بینک ضرورت یا............

* دیے ہوئے حروف کے نمبروں کے مطابق ذیل کے جوابی نمبروں سے صحیح ترتیب نقل کرکے بننے والا لفظ لکھیے۔

(i فوراً / جھٹ پٹ کے معنی والا لفظ

حروف کے نمبر : ا ر ف ف ل و ی
1 2 3 3 4 5 6

(i) 2534163 (ii) 6543321
(iii) 1243365

(ii سبق کا مرکزی موضوع ترتیب پاتا ہو

حروف کے نمبر : ا ت خ د ر س ن و
1 2 3 4 5 6 7 8

(i) 7382564 (ii) 32187654
(iii) 71835264

اضافی معلومات

دسترخوان پر کھانا کھانے کے فائدے

مشرقی ممالک میں قدیم زمانے سے زمین پر بیٹھ کر کھانے کا رواج ہے۔ زمین پر دسترخوان بچھا کر کھانا کھانا اسلامی تہذیب ہے۔ دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھانے کے لیے دونوں پیر موڑ کر بیٹھنا ہوتا ہے یا ایک پیر موڑ کر بیٹھا جاتا ہے جس سے معدے کا ایک حصہ دب جاتا ہے اور اس میں غذا کی گنجائش کم ہوجاتی ہے۔ اس طرح انسان سیر ہوکر کھانے سے بچتا ہے جو بہتر صحت کے لیے بہت ضروری ہے۔ نیچے بیٹھ کر کھانے کی عادت سے جوڑوں کی ورزش ہوتی ہے جس سے جوڑوں میں لچک قائم رہتی ہے اور انسان جوڑوں کے درد سے محفوظ رہتا ہے۔

پیر موڑ کر بیٹھنے سے ریڑھ کی ہڈی پر دباؤ پڑتا ہے اور عضلات اور اعصاب میں تناؤ کم ہوتا ہے جس سے انسان آرام محسوس کرتا ہے۔ اس کی جسمانی وضع بہتر رہتی ہے۔ رکابی دسترخوان پر ہو تو ہر نوالے کے لیے سامنے جھکنا ہوتا ہے۔ اس مسلسل حرکت کے نتیجے میں معدے میں دورانِ خون تیز ہوجاتا ہے۔ اچھے ہاضمے کا انحصار بہتر دورانِ خون پر ہے۔ اس طرح بیٹھ کر کھانے سے دماغ میں خون کی کم مقدار پہنچتی ہے۔ دماغ کو سکون ملتا ہے۔ پُرسکون دماغ کے ساتھ کھانا کھایا جائے تو صحت پر اس کے مثبت اثرات پڑتے ہیں۔

کھڑے ہوکر کھانے پینے کے نقصانات

کھڑے ہوکر کھانے پینے سے اسلام نے منع فرمایا ہے۔ کھڑے ہوکر کھانا کھانے سے معدے میں سکڑاؤ پیدا نہیں ہوتا۔ معدے کی گنجائش زیادہ ہوجاتی ہے اس لیے کھانا زیادہ مقدار میں اور تیزی سے کھایا جاتا ہے۔ نتیجے میں معدے میں ہضمی فرازات زیادہ خارج ہوتے ہیں جو تیزابیت (ایسیڈیٹی) کا سبب بنتے ہیں اور بعض وقت انسان السر کا بھی شکار ہوجاتا ہے۔ بسیارخوری کی عادت کے نتیجے میں انسان کا وزن بڑھتا جاتا ہے جو مختلف بیماریوں کی وجہ بنتا ہے جیسے بلڈ پریشر، ذیابیطس اور جوڑوں کا درد وغیرہ۔ کھڑے ہوکر کھانا کھانے کی عادت سے پیروں کے جوڑوں کی خاطر خواہ حرکت نہ ہونے سے بھی انسان گھٹنوں کے درد میں مبتلا ہوتا ہے۔ اسلام نے پانی بھی کھڑے ہوکر پینے سے منع کیا ہے اور بیٹھ کر تین سانس میں پینے کی تاکید کی ہے۔ ایک ہی سانس میں کھڑے ہوکر پانی پینے سے معدے کی دیوار کو نقصان پہنچتا ہے۔ ایسیڈیٹی پیدا ہوتی ہے۔ گردے خون کی صفائی کا فعل ٹھیک طرح انجام نہیں دیتے جس کے نتیجے میں فاسد مادّے گردوں اور مثانے میں رہ جاتے ہیں اور ان اعضا کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

۱۰۔ بادشاہ عقل و دل

ملا وجہی

پہلی بات : اُردو شاعری کے اوّلین نمونے جس طرح دکن میں پائے جاتے ہیں، اسی طرح نثر کے ابتدائی نمونے بھی دکنی اُردو ہی میں دستیاب ہوئے ہیں۔ ان میں سب سے اہم ملا وجہی کی 'سب رس' ہے۔ ملا وجہی نے یہ کتاب سلطان عبداللہ قطب شاہ کی فرمائش پر لکھی تھی۔ یہ ایک طویل تمثیلی داستان ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وجہی نے یہ کتاب فارسی زبان کے شاعر فتاحی کی مثنوی 'دستور العشاق' کو سامنے رکھ کر لکھی تھی۔ قصہ کہانی کہنا اور سننا انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ اسی شوق کو پورا کرنے کے لیے اُردو میں داستانیں لکھی گئیں۔ 'سب رس' کا قصہ نہایت دلچسپ ہے اور سننے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ کتاب قدیم اُردو میں لکھی گئی ہے۔ اس کی عبارت مقفّیٰ ہے۔ اس سبق کو پڑھ کر ہم قدیم اُردو سے آشنا ہوجائیں گے۔

جان پہچان : ملا وجہی قطب شاہی دور کے مشہور شاعر اور نثر نگار تھے۔ سلطان عبداللہ قطب شاہ کے دربار میں انھیں ملک الشعرا کا درجہ حاصل تھا۔ وجہی کے مقام و تاریخ پیدائش کا تاریخ کی کتابوں میں ذکر نہیں۔ اسی طرح ان کے سنِ وفات کا بھی پتا نہیں چلتا۔ البتہ اتنا درست ہے کہ انھوں نے چار قطب شاہی بادشاہوں کا زمانہ دیکھا اور کئی کتابیں لکھیں۔ ان میں مثنوی 'قطب مشتری، تاج الحقائق، ماہِ سیما و پری رُخ' وغیرہ کا شمار ہوتا ہے۔

ایک شہر تھا۔ اس شہر کا ناوں سیستان۔ اس سیستان کے بادشاہ کا ناوں عقل۔ دین و دنیا کا تمام کام اس تے چلتا۔ اس کے حکم باج ذرا کیں نَیں ہلتا۔ اس کے فرمائے پر جو چلے، ہر دو جہاں میں ہوئے بھلے۔ سو اس عقل بادشاہ کوں، عالم پناہ کوں، ظل اللہ کوں، صاحب سپاہ کوں ایک فرزند تھا کہ اس کا جوڑا دنیا میں کئیں نہ تھا۔ واصلِ کامل، عاشقِ عاقل، عالمِ عامل، ناوں اس کا دل۔ تخت و تاج کا لائق، سب پر فائق، بات میں قابل، سمج میں فاضل۔ سو ایک دیس، اس عقل بادشاہ، حقیقت آگاہ کے دل پر کچھ آیا، اپنا اندیشہ اپس کوں بھایا۔ سو اس کوں، اس شاہ زادے کوں، اس ماہ زادے کوں، اس متقی کوں، اس سب عِلماں کے دھنی کوں تن کے ملک کی بادشاہی دیا۔ تن کے ملک کا بادشاہ کیا، سرفراز کیا، ممتاز کیا۔ دل بادشاہ کے ہات میں تن کا ملک آیا۔ ٹھارے ٹھار، کونچے کونچے، بازارے بازار اپنی دُراہی پھرایا۔ تن دل کا فرماں بردار، جوں نفر خدمت گار۔ جدھر دل جاتا، دل کے پچھیں تن بی آتا۔ نوے نوے قانون دھرنے لگیا۔ دل، تن کے ملک کی بادشاہی کرنے لگیا۔

القصہ ایک رات دل بادشاہ کمباچ، طنبور، قانون، عود منگا کر، مطرباں خوش سرور بلا کر مجلس کیا۔ ارکانِ دولت، ندیم، قصہ خواں، خوش طبعاں، لطیفہ گویاں، حاضر جواباں، گل رویاں، خوش خویاں سب حاضر تھے۔ بارے اس وقت یکایک عین مستی میں، فراغ دستی میں، اس کمال ہستی میں، ایک قدیم ندیم، بھوت لطافت سوں، بھوت فصاحت سوں، بھوت بلاغت سوں، بات کا سر رشتہ کاڑ کر، ایک تازے آبِ حیات کا قصہ پڑیا۔ و لے پڑتے وقت اس قصے کی مستی چڑی، سو آپے بی ٹک گر پڑیا۔ دل کھولیا، بات سنیا تھا سو بولیا کہ جو کُئی یو آبِ حیات کو پیوے گا، دوسرا خضر ہووے گا۔ اس جگ میں سدا جیوے گا۔ دنیا میں جیونا اُسیچ کا ہے۔ جو کُئی یو آبِ حیات پیا نَیں، تو دنیا میں عبث آیا۔ کیا لذت دیکھیا، کچھ نَیں کیا۔ عبث جیا۔ جس کے دل میں یو نَیں طمع، کیا جیونا اس کا، کس جیونے میں جمع۔

جس کے آب حیات سوں تر ہوئیں گے لب، حیران ہووے گا، تماشا دیکھے گا عجب عجب۔ اس آبِ حیات کی بات کا اثر بھوت وھاں سوں دل بادشاہ کے سر چڑیا۔ دل بادشاہ اس آبِ حیات کی بات پر مطلق عاشق ہوا، بیتاب ہو پڑیا۔ دل بھوتچ طالب ہوا۔ اشتیاق غالب ہوا۔ بات سنتے اس حال کو انپڑیا، عاشق تھا بچارا بیگیچ سنپڑیا۔

القصہ دل بادشاہ، حقیقت آگاہ بھوت بے دل ہوا۔ دل پر کام مشکل ہوا۔ شہر سب حیران، گھر گھر لوگاں پریشان۔ جتے جتّا دوڑے، سرگرداں ہوکر سب سر پھوڑے۔ پیشوا، دبیر، امیر، وزیر، کُئی کر نَیں سکے اس کی تدبیر۔ ویسے میں دل بادشاہ کوں، خصوص ایک جاسوس تھا، اس کا ناوں نظر۔ سب ٹھاوں اس کا گزر۔ سب جگہ کی معلوم اسے خبر۔ کُئی نہ جاسکے وھاں جاوے۔ کُئی نَیں خبر لیا تا سو خبر لیاوے۔ سو وو نظر جاسوس دل بادشاہ کے حضور آ کر، تسلیم کر بولیا کہ اے دل بادشاہ، عالم پناہ! مجھے رخصت دے۔ اس کام کوں میں جاؤں گا۔ جدھر کدھر ڈھونڈ کرتوں منگتا سو آب حیات کی خبر میں لیاؤں گا۔ بارے دل بادشاہ نظر کی یو بات سنیا تو خوش ہوا۔ نظر جاسوس کوں شاباش، شاباش کہیا۔ گلے لگایا، خدا کی درگاہ اُمیدوار ہوکر رضا دیا کہ تو جا، یو خوش خبر لے کر بیگ آ۔ تاخیر نکو کر، اس کام کو تقصیر نکو کر۔ مبارک ہے، جاگے تیرے نصیب کہ نصرٌ مِن اللہ وَ فتحٌ قریب۔

معانی واشارات

ناوں	–	نام
تے	–	سے
باج	–	بغیر
کیں	–	بھی
نیں	–	نہیں
ہَلتا	–	ہِلتا، قدیم تلفظ زبر کے ساتھ ہے۔
ظلِ اللہ	–	اللہ کا سایہ۔ بادشاہ کو مخاطب کرنے کے لیے استعمال کیا جانے والا فقرہ
صاحب سپاہ	–	فوج کا مالک
کنئیں	–	کہیں
واصلِ کامل	–	اللہ کی یاد میں محو رہنے والا
عالمِ عامل	–	اپنے علم پر عمل کرنے والا عالم
فائق	–	ممتاز، برتر
سُج	–	سمجھ
دیس	–	دن
حقیقت آگاہ	–	سچائی کو جاننے والا
اپس کوں	–	خود کو
عِلماں کا دھنی	–	بہت سے علوم کا ماہر
سرفراز کرنا	–	عزّت بڑھانا
ٹھارے ٹھار	–	جگہ جگہ
کونچے کونچے	–	کوچے کوچے، گلی گلی
دُراہی پھرانا	–	حکومت کا اعلان کرنا
نفر	–	نوکر، ملازم
پچھیں	–	پیچھے
بی	–	بھی
نوے نوے	–	نئے نئے
کمانچ، طنبور، قانون، عود	}	موسیقی کے سازوں کے نام
مطرباں خوش سرور	–	اچھی آواز میں گانے والے
ارکانِ دولت	–	درباری
ندیم	–	دوست
طبعاں	–	طبع کی جمع، طبیعت
گل رویاں	–	پھول جیسے، مراد خوبصورت چہرے والے
خوش خویاں	–	اچھی عادت والے
عین مستی میں	–	نشے کی حالت میں
فراغ دستی	–	چھیڑ چھاڑ، دراز دستی

کمالِ ہستی - مراد انتہا
بھوت - بہت (بروزن روگ)
سوں - سے
فصاحت - اچھی زبان کا استعمال
بلاغت - کم سے کم الفاظ میں اپنا مطلب بیان کرنا
سررشتہ - تعلق
کاڑ کر - نکال کر
پڑیا - پڑھا
ٹک - ذرا
کُئی - کوئی
یو - اس، یہ
جیونا - جینا
اُسیچ کا - اُسی کا
دیکھیا - دیکھا
بھوتچ - بہت زیادہ

انپڑیا - آ پہنچا
بیگیچ - بہت جلد
سنپڑیا - پکڑا گیا
جتّے - مراد جتنے لوگ
جتّا - جتنا
خصوص - خاص
ٹھاوں - جگہ
بارے - آخرکار
رضا - اجازت
بیگ آ - جلدی آ
تاخیر - دیر
نکو کر - مت کر
تقصیر - بھول چوک، قصور
نصرٌ من اللہ وَ فتحٌ قریب } اللہ کی مدد ہو تو فتح قریب ہوتی ہے۔

مشقی سرگرمیاں

* سبق کے حوالے سے ذیل کی سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ بادشاہ کا نام لکھیے۔
۲۔ بادشاہ کے لیے استعمال کیے گئے صفاتی ناموں میں سے دو نام تحریر کیجیے۔
۳۔ شہزادے کو جس ملک کی بادشاہت ملی اُس کا نام تحریر کیجیے۔
۴۔ آبِ حیات کی خاصیت سے متعلق جملے نقل کیجیے۔
۵۔ بادشاہ کے جاسوس کی خوبیوں کو اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔
۶۔ بادشاہ کے جاسوس کا نام لکھیے۔
۷۔ آبِ حیات کی تلاش میں جانے والے کا نام لکھیے۔
۸۔ آبِ حیات کا قصہ پڑھنے والے کے بارے میں لکھیے۔
۹۔ 'نصرٌ من اللہ و فتحٌ قریب' اس آیت کی سورت کا نام تحریر کیجیے۔

* شہزادے کا نام اور صفاتی نام سے ذیل کا خاکہ مکمل کیجیے۔

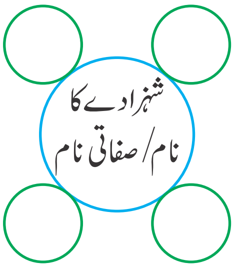

* سبق کا جو حصہ آپ کو پسند آیا، اُسے نقل کیجیے۔

* ذیل کے الفاظ کا املا آج کے املے کے مطابق لکھیے۔

کُئی نئیں لیاوے کوں دیکھیا سچ
ناوں یو انپڑیا سوں پچھیں اسیچ کا

* ذیل کے ہم معنی الفاظ سبق سے تلاش کر کے لکھیے۔

۱۔ خدا کا سایہ ۲۔ منفرد ۳۔ پڑھا
۴۔ دوست ۵۔ لالچ ۶۔ منشی
۷۔ رہبر/رہنما ۸۔ غلطی/کوتاہی ۹۔ خوش کلامی

✽ داستان کی مدد سے خاکہ مکمل کیجیے۔

دل بادشاہ کی مجلس کے آلاتِ موسیقی

✽ داستان سے مقفّیٰ جملے تلاش کر کے لکھیے۔

✽ 'آبِ حیات' سے متعلق رواں خاکہ مکمل کیجیے۔

جو کوئی یو آبِ حیات کو پیوے گا ← ‎[ ] ‏ ہووے گا۔

‎[ ] ‏ جیوے گا۔

آبِ حیات سوں تر ہوئیں گے لب ← ‎[ ] ‏ اسچ کا ہے۔

‎[ ]

‎[ ]

✽ دیے ہوئے اقتباس کو موجودہ مروّج اِملے کے مطابق لکھیے۔

القصہ دل بادشاہ، حقیقت آگاہ بھوت بے دل ہوا۔ دل پر کام مشکل ہوا۔ شہر سب حیران، گھر گھر لوکاں پریشان۔ جتے جتّا دوڑے، سرگرداں ہوکر سب سر پھوڑے۔ پیشوا، دبیر، امیر، وزیر، کُئی کر نیں سکے اس کی تدبیر۔ ویسے میں دل بادشاہ کوں، خصوص ایک جاسوس تھا، اس کا ناوں نظر۔ سب ٹھاوں اس کا گزر۔ سب جگہ کی معلوم اسے خبر۔ کُئی نہ جاسکے وھاں جاوے۔ کئی نیں خبر لیا تا سو خبر لیاوے۔

سب ایڈیٹرز کی فوری ضرورت ہے

☆ آپ کو سب سے پہلے خبر جاننے کا شوق ہے۔
☆ جو دیکھا، جو سوچا اسے دوسروں تک پہنچانے کیلئے بے تاب رہتے ہیں۔
☆ کتابیں، اخبار باقاعدگی سے پڑھتے ہیں۔
☆ اپنی تحریر کو زیادہ سے زیادہ دلچسپ بنانے کی دھن سوار رہتی ہے۔

تعلیمی قابلیت اور صلاحیتیں:

☆ ایم اے اردو، انگریزی، ماس کمیونی کیشن، اکنامکس اور 3 سالہ صحافتی تجربے کو ترجیح دی جائے گی۔
☆ گریجویٹ 5 سالہ تجربے کے ساتھ بھی درخواست دے سکتے ہیں۔
☆ انگریزی سے اردو میں ترجمے کی خصوصی مہارت۔
☆ کمپیوٹر پر کمپوزنگ/ان پیج۔
☆ 24 گھنٹے میں کسی بھی شفٹ میں کام کرنے پر آمادگی۔

فالج ولقوہ

کا کامیاب علاج (مرد و خواتین) کا 16 سالہ تجربہ
بسم اللہ کلینک: بھیلی www.unanibismillah.com
ڈاکٹر سید عبدالرحمٰن ایم ڈی (یونانی)
ڈاکٹر ساجدہ سلطانہ ایم ڈی (یونانی)

اضافی معلومات

قطب شاہی

علاء الدین خلجی اور محمد تغلق کے دورِ حکومت میں بھارت کے جنوبی حصے کو دہلی سلطنت سے جوڑنے کی کوششیں ہونے لگی تھیں اور دہلی کے سلاطین اس میں کامیاب بھی ہوئے۔ دہلی سے یہ علاقہ بہت دور ہونے کی وجہ سے سلاطینِ دہلی نے وہاں اپنے صوبے دار مقرر کیے تھے۔ وہ اپنے سپاہی ان علاقوں میں بھیجا کرتے تھے۔ تغلق حکومت میں ایسا ہی ایک فوجی سردار علاء الدین حسن (گنگو) جب دکن پہنچا تو اس نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور دکن میں بہمنی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ یہ سلطنت آگے چل کر پانچ صوبوں میں بٹ گئی اور ہر صوبے کا علیحدہ علیحدہ خود مختار بادشاہ ہوا۔ ان میں : (۱) عادل شاہی - بیجاپور (۲) قطب شاہی - گولکنڈہ (۳) نظام شاہی - احمد نگر (۴) عماد شاہی - برار (۵) بَرید شاہی - بیدر کی حکومتیں تشکیل پائیں۔ ان پانچوں سلطنتوں کے اکثر بادشاہ بڑے ادب نواز رہے ہیں بلکہ بعض بادشاہ خود اچھے شاعر اور موسیقی کے ماہر بھی تھے اور اپنے دربار میں فنکاروں کو بلند عہدے دیا کرتے تھے مثلاً گولکنڈہ کے بادشاہ عبداللہ قطب شاہ کے دربار میں ملا وجہی اور بیجاپور کے ابراہیم عادل شاہ ثانی کے دربار میں نصرتی 'ملک الشعرا' کہلاتے تھے۔

۱۱۔ خطوط

مرزا غالبؔ

پہلی بات : ایک زمانہ ایسا بھی تھا کہ دور دراز مقامات پر سندیسے پہنچانے کے لیے کبوتروں کا استعمال کیا جاتا تھا۔ کاغذ کے پرزے پر لکھا ہوا مختصر سا پیغام کبوتر کے پیروں میں باندھ کر اُڑا دیا جاتا جسے وہ منزلِ مقصود تک پہنچا آتا تھا۔ جب ڈاک کا نظام قائم ہوا تو خطوط کو اہمیت حاصل ہوئی۔ ہمارے زمانے میں انٹرنیٹ اور ٹیلی فون کی سہولت کے سبب خطوط کا رواج ختم سا ہو گیا ہے۔ تاہم ادبی خوبیوں کے سبب مکتوب نگاری ہمارے ادب کا حصہ بن گئی ہے۔

جان پہچان : مرزا غالبؔ ۲۷؍ دسمبر ۱۷۹۷ء کو آگرے میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں ان کے والد عبداللہ بیگ فوت ہو گئے۔ ان کے چچا نصر اللہ بیگ نے ان کی پرورش کی۔ غالبؔ نے ابتدائی تعلیم آگرے میں حاصل کی۔ پندرہ سال کی عمر میں وہ دہلی منتقل ہو گئے تھے۔ ۱۸۵۴ء میں وہ ذوقؔ کے انتقال پر مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفرؔ کے استاد مقرر ہوئے۔ مرزا غالبؔ نے اگرچہ اپنے اُردو کلام کے سبب شہرت حاصل کی مگر انھوں نے فارسی میں بھی بلند پایے کی شاعری کی ہے۔ غالبؔ نے مکتوب نگاری میں اپنی الگ راہ نکالی۔ انھوں نے خط نگاری کے روایتی اور رسمی انداز کو ترک کیا اور خط کو بے تکلّف گفتگو اور شخصی جذبات کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ مکتوب نگاری میں غالبؔ کے خطوط کو اعلیٰ درجہ حاصل ہے۔ ذیل میں ان کے مختلف موضوعی خطوط دیے جا رہے ہیں۔ ان کے اُردو خطوط کا مجموعہ 'عودِ ہندی' کے نام سے ۱۸۶۸ء میں اور دوسرا مجموعہ 'اُردوئے معلّٰی' ان کی وفات کے بعد شائع ہوا۔ مرزا غالبؔ نے ۱۵؍ فروری ۱۸۶۹ء کو دہلی میں وفات پائی۔

منشی عبداللطیف : غالبؔ کے عزیز دوست منشی نبی بخش حقیرؔ کے بیٹے تھے۔ اس دوستانہ رشتے کی وجہ سے غالبؔ کو حقیرؔ کے اہلِ خانہ کا بڑا خیال رہتا تھا اس لیے جب عبداللطیف کے یہاں لڑکا پیدا ہوا تو غالبؔ نے تہنیتی خط بھیجا۔

منشی شیونرائن آرامؔ : غالبؔ کے دوستوں میں سے تھے۔ مرزا ہرگوپال تفتہؔ اور آرامؔ نے غالبؔ کے خطوط مرتب کرنے کے لیے ان سے اجازت چاہی تھی مگر انھیں سختی سے منع کر دیا گیا۔ غالبؔ اپنا پتا 'غالبؔ، دہلی' لکھوانا چاہتے تھے مگر آرامؔ غالبؔ کا مکمل پتا لکھتے تھے اس لیے آرامؔ کے خطوط انھیں صوری طور پر پسند نہیں آتے تھے۔ آرامؔ کا اپنا پریس تھا جہاں غالبؔ کی کتابیں شائع ہوتی تھیں۔

تہنیتی خط

بنام منشی عبداللطیف

برخوردار نورِ چشم عبداللطیف

بعد دعائے دوامِ دولت وطولِ عمر، معلوم کریں کہ بھائی صاحب کے کہنے سے معلوم ہوا کہ تمھارے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ بہت مجھ کو خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ تم کو مبارک کرے اور تم کو تمھارے باپ کے سایۂ عطوفت اور اس کو تمھارے ظلِ رافت میں سلامت رکھے۔ اس کی اولاد تم کو دِکھلاوے۔ تم جو نام رکھو، اس سے مجھ کو اطلاع دینا۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی نام ایسا ملے کہ جس کے اعداد سے سالِ ولادت ظاہر ہو۔ والدّعا

مرسلہ: دوشنبہ، ۱۰؍ مارچ ۱۸۵۱ء　　　　　　　　از اسد اللہ

تجارتی خط

بنام منشی شیونرائن آرامؔ

شفیق میرے، مکرّم میرے، منشی شیونرائن صاحب!

میں نہیں چاہتا کہ دو جز یا چار جز کی کتاب ہو۔ چھے جز سے کم نہ ہو۔ مسطر دس گیارہ سطر کا ہو مگر حاشیہ تین طرف بڑا رہے۔ شیرازے کی طرف کا کم ہو۔ اس کے سوا یہ ہے کہ کاپی کی تصحیح ہو، غلط نامے کی حاجت نہ پڑے۔ آپ خود متوجہ رہیے گا اور منشی نبی بخش صاحب کو اگر کہیے گا تو وہ بھی آپ کے شریک رہیں گے اور مرزا تفتہؔ تو مالک ہی ہیں۔

کاغذ شیورام پوری ہو مگر سفید اور مہرہ کیا ہوا اور لعاب دار ہو۔ پھر یہ کہ حاشیے پر جو لغات کے معنی لکھے جائیں تو اس کی طرزِ تحریر اور تقسیم دل پسند اور نظر فریب ہو۔ حاشیے کی قلم بہ نسبت متن کی قلم کے خفی ہو۔ مرزا تفتہؔ کو پانچ جلدوں کا لکھا تھا لیکن اب چھے جلدیں تیار کیجیے گا۔ ان چھے جلدوں کی جو لاگت پڑے، میں بہ مجرد طلب کے فوراً ہنڈی بھیج دوں گا۔

سہ شنبہ، ۳۱/اگست ۱۸۵۸ء　　　　　　راقم اسداللہ

تعزیتی خط

بنام نواب حسین مرزا

بھائی صاحب!

آج تک سوچتا رہا کہ بیگم صاحبہ قبلہ کے انتقال کے باب میں تم کو کیا لکھوں۔ تعزیت کے واسطے تین باتیں ہیں: اظہارِ غم، تلقینِ صبر، دعائے مغفرت۔ سو بھائی، اظہارِ غم تکلفِ محض ہے۔ جو غم تم کو ہوا ہے، ممکن نہیں کہ دوسرے کو ہوا ہو۔ تلقینِ صبر بے دردی ہے۔ پس ایسے موقع پر صبر کی تلقین کیا کی جائے۔ رہی دعائے مغفرت؛ میں کیا اور میری دعا کیا؟ مگر چونکہ وہ میری مربیہ اور محسنہ تھیں، دل سے دعا نکلتی ہے۔ تمھارا یہاں آنا سنا جاتا تھا۔ اس واسطے خط نہ لکھ سکا۔ اب جو معلوم ہوا کہ دشمنوں کی طبیعت ناساز ہے اور اس سبب سے آنا نہ ہوا، یہ چند سطریں لکھی گئیں۔ حق تعالیٰ تم کو سلامت اور تندرست اور خوش رکھے۔

۱۵/نومبر ۱۸۶۶ء　　　　　　تمھاری خوشی کا طالب

غالبؔ

معانی و اشارات

دوامِ دولت	-	ہمیشہ مالدار رہنا
طولِ عمر	-	دراز/لمبی عمر
معلوم کریں کہ	-	مراد آپ کو معلوم ہو کہ (یہ خط میں تخاطب کا ایک فقرہ ہے)
عطوفت	-	شفقت، محبت
ظل	-	سایہ
رافت	-	مہربانی
جز	-	حصہ، سولہ صفحے

مسطر	-	سطریں بنا ہوا کاغذ جس پر کاتب چھپائی سے قبل لکھتے ہیں۔
شیرازہ	-	کتاب کی سلائی کا حصہ
مہرہ	-	چھاپہ
لعاب دار	-	چکنا کاغذ
نظر فریب	-	دلکش
خفی	-	باریک
بہ مجرد طلب	-	طلب کیے جانے/ مانگے جانے پر
ہنڈی	-	چیک، کاغذ زر، روپیا وصول کرنے کے لیے دیا جانے والا سرکاری کاغذ
دوشنبہ	-	پیر
سہ شنبہ	-	منگل
مربیہ	-	پالنے والی
محسنہ	-	احسان کرنے والی
دشمنوں کی طبیعت ناساز ہونا	}	مراد جس سے بات کی جا رہی ہو، اس کی طبیعت خراب ہونا

مشقی سرگرمیاں

خطوط کا بغور مطالعہ کیجیے اور دی ہوئی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ خطوط کی قسموں کے نام لکھ کر رواں خاکے کو مکمل کیجیے۔

خطوط کی قسمیں : ☐ - ☐ - ☐

۲۔ خط میں تخاطب کے لیے استعمال کیے گئے القاب لکھیے۔

۳۔ خطوط سے بے تکلف گفتگو کی ایک مثال لکھیے۔

۴۔ خطوط کے مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے نام لکھیے۔

۵۔ منشی عبداللطیف کے خط کا موضوع بیان کیجیے۔

۶۔ والد اور نومولود کے حق میں غالبؔ کی دعا کو اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۷۔ نام رکھنے سے متعلق غالبؔ کی نصیحت تحریر کیجیے۔

۸۔ تجارتی خط کا مقصد تحریر کیجیے۔

۹۔ کتاب کے حاشیے سے متعلق احتیاط کو اپنے الفاظ میں لکھیے۔

۱۰۔ کاپی کی تصحیح کے لیے ذمہ دار اشخاص کے نام لکھیے۔

۱۱۔ کاغذ کے معیار سے متعلق غالبؔ کی پسند لکھیے۔

۱۲۔ جن صاحب کی اہلیہ کا انتقال ہوا، اُن کا نام لکھیے۔

۱۳۔ غالبؔ کے مطابق تعزیت کے لیے تین ضروری باتیں لکھیے۔

۱۴۔ اظہارِ غم کو تکلّفِ محض کہنے کا مطلب اور سبب لکھیے۔

سرگرمی/منصوبہ :

مختلف ادبا اور شعرا نے اپنے دوست احباب، عزیز و اقارب کو تعزیتی خط لکھے ہیں۔ انھیں تلاش کرکے پڑھیے۔

اضافی معلومات

مکتوب نگاری

مکتوب یا خط ترسیل و ابلاغ کا ایک ذریعہ ہے۔ اس کی ابتدا ما قبل تاریخ سے بتائی جاتی ہے۔ تحریر کو خط بھی کہتے ہیں جس نے بعد میں اپنے معنوں میں قدرے تبدیلی پیدا کی۔ خط متعدد اقسام کے ہوتے ہیں: نجی، سیاسی، دفتری، کاروباری، علمی اور ایسے جن کا کوئی بھی مقصد نہ ہو۔ نجی خط دو آدمیوں کے درمیان آپسی معاملے یا مقصد کے لیے لکھے جاتے ہیں اور ان خطوں میں کوئی تکلف نہیں ہوتا۔ ان کی کیفیت راست گفتگو کی سی ہوتی ہے۔ کبھی کبھی ان خطوط میں عالمانہ اور خطیبانہ انداز بھی آ جاتا ہے مثلاً ابوالکلام آزاد کے خطوط۔ مکتوب نگار کے جذبات کا مظہر بھی خط ہی ہوتے ہیں۔ اس سے خطوط میں انسانی عناصر کی شمولیت ادب کی عام اصناف کے مقابلے میں زیادہ حقیقی نظر آتی ہے اور ہم خط کو خود نوشت سوانح کے طور پر بھی پڑھتے ہیں۔ اُردو مکاتیب پر شروع میں فارسی کا رنگ نمایاں رہا۔ القاب و آداب کی طوالت، مشکل الفاظ کا استعمال فارسی خطوط کی عام خصوصیات تھیں۔ اُردو خطوط میں بھی یہی طرز رواج پا گیا۔ مرزا غالبؔ نے اس روایت سے انحراف کیا اور خط لکھنے کا ایک نیا انداز اپنایا یعنی تحریر میں بات چیت کا ڈھنگ پیدا کیا۔ ان کے خطوط نے مکتوب نگاری کو ایک نیا اعتبار بخشا۔

EN5R2L

حصّۂ نظم

ا۔ حمد

رشید افروز

پہلی بات: کہتے ہیں ایک بادشاہ ایسا بھی گزرا ہے جسے اپنی تعریف بالکل پسند نہ تھی۔ ایک دن اس کے دربار میں ایک شاعر اپنی کسی غرض سے پہنچا اور آدابِ شاہی کے مطابق سلام کرنے کے بعد عرض کیا: ’حضورِ عالی! میں جانتا ہوں کہ آپ سارے بادشاہوں میں اس لحاظ سے مختلف ہیں کہ آپ کو اپنی تعریف قطعی پسند نہیں اس لیے میں آپ کی شان میں تعریفی کلمات ادا کیے بغیر ہی اپنی ضرورت بیان کرتا ہوں۔ بادشاہ کو اس کا اندازِ تخاطب پسند آیا۔ بادشاہ نے کہا: تم سچ کہتے ہو۔ اور اس کی ضرورت پوری کر دی۔

اگر آپ غور کریں تو محسوس ہوگا کہ کھلے طور پر نہ سہی اس عقل مند شاعر نے بادشاہ کی ایک خوبی بیان کر کے بہر حال بادشاہ کی تعریف کر ہی ڈالی جو بادشاہ کو پسند آئی۔ یہ حقیقت ہے کہ تعریف کرنے والا تعریف سننے والے کے دل میں جگہ بنا لیتا ہے۔ البتہ جھوٹی تعریف سے ہمیں پرہیز کرنا چاہیے۔

اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی تعریف حمد کہلاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری کائنات اور اس جیسی ہزارہا کائناتوں کا خالق ہے۔ اسی نے ہر شے کو پیدا کیا ہے۔ شاعروں کے قلم میں تاثیر بھی اسی کی عطا ہے۔ حمد میں شاعر اللہ تعالیٰ کی قدرت بیان کرتا اور اس کی مختلف صفات کا ذکر کرتا ہے۔

خدائے بزرگ و برتر جو پروردگارِ عالم اور کارساز بھی ہے، اپنی مخلوقات پر مہربان ہے، کائنات کی ہر چیز سے اس کی قدرت اور کاریگری ظاہر ہے۔ اس کی نعمتیں ہر وقت بارش کی طرح برس رہی ہیں۔ اس کا حق ہے کہ ہم اس کی تعریف بیان کریں۔ ذیل کی حمد میں یہی خیال خوب صورت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

جان پہچان: رشید افروز یکم اکتوبر ۱۹۴۵ء کو احمد آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام شیخ عبدالرشید ہے۔ انھوں نے آرٹس اور کامرس میں ماسٹر کی ڈگریاں حاصل کی ہیں اور وکالت کی ڈگری بھی رکھتے ہیں۔ کچھ برس وہ احمد آباد کے انجمن ہائی اسکول میں ریاضی کے مدرّس رہے، پھر بینک آف بڑودہ میں ملازمت کرنے لگے۔ رشید افروز سینئر منیجر کے عہدے سے وظیفہ یاب ہوئے ہیں۔ اُن کی شاعری کا مجموعہ ’نفی‘ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ انھوں نے بعض مضامین کا گجراتی زبان میں ترجمہ بھی کیا ہے۔

رہ گزر کوئی ہو، منزل کا تقاضا تو ہے ۔۔۔ دل نے جس وقت، جہاں دل سے پکارا، تو ہے

چشمِ بینا کو بصیرت، دلِ محزوں کو یقیں ۔۔۔ ڈوبتی آس کو تنکے کا سہارا تو ہے

اپنے محور پہ ہیں گردش میں اگر شمس و قمر ۔۔۔ جس کے قبضے میں ہے انجامِ زمانہ، تو ہے

چاند سورج ترے اوصاف بیاں کرتے ہیں ۔۔۔ ہم فقط نور کا پرتو ہیں، سراپا تو ہے

رات اور دن ہیں پروئے ہوئے موتی کی طرح ۔۔۔ ظلمتِ شب میں نئے دن کا وسیلہ تو ہے

صبحِ صادق کی سپیدی تری عظمت کا نشاں — سجدہ کرتا ہے جسے شب کا اندھیرا ، تو ہے
تجھ سے بڑھ کر کوئی شفقت نہیں کرنے والا — تیرا ہمسر ہے نہ ثانی کوئی ، یکتا تو ہے
تو جسے چاہے اُسے تخت دے ، تاراج کرے — ملک تیرا ہے ، حکومت تری ، آقا تو ہے
سیکڑوں بار ہوا یوں ، مجھے ٹھوکر بھی لگی — میں جو گرنے سے ہوں محفوظ ، سہارا تو ہے
جب مدد کے لیے موجود کہیں کوئی نہ تھا — دِل نے اُمید جگائی ، مرے مولا ، تو ہے

خود کو دیکھوں تو دِکھائی نہیں دیتا کچھ بھی
تجھ کو سوچوں تو ہر اِک شے میں سمایا تو ہے

خلاصہ : دنیا میں مختلف مذاہب کا نصب العین صرف اللہ کی اطاعت ہے۔ان کی راہیں اگرچہ مختلف ہیں مگر مقصد صرف ایک ہی ہے۔اللہ ربّ العزّت کے ماننے والے صدق دل سے جہاں بھی اسے پکاریں، وہ وہاں موجود ہے۔آدمی چاہے صدہا پریشانیوں کا شکار ہو مگر اسے آس اور اُمید صرف اللہ کی ذات سے لگی رہتی ہے۔وہی آدمی کے دل کا یقین اور اس کی آنکھ کا نور ہے۔اللہ تعالیٰ خالق کائنات اور آخرت کا مالک ہے۔زمین، سورج اور چاند کی گردش اسی کے حکم کے تابع ہے۔کائنات کے ذرّے ذرّے میں اسی کا نور بکھرا ہوا ہے۔دن اور رات اسی کے حکم سے بدلتے ہیں۔دن کی سفیدی سے رات اور رات کے اندھیرے سے دن کو اللہ تعالیٰ ہی نکالتا ہے۔وہ یکتا ہے، اس کا کوئی ہمسر نہیں۔وہ بڑا شفیق و مہربان ہے۔اس کی قدرت سے بادشاہ فقیر اور فقیر بادشاہ ہو جائیں۔اللہ ربّ العزّت کائنات کی ہر چیز کا سہارا ہے۔اگر صدق دل سے اسے پکارا جائے تو اس کی مدد شاملِ حال ہوتی ہے۔وہ اگرچہ ظاہری آنکھ سے دِکھائی نہیں دیتا مگر وہ ہر جگہ موجود ہے۔

معانی و اشارات

چشمِ بینا	دیکھنے والی آنکھ مراد سچائی کو پہچاننے والی آنکھ	ہمسر	برابری کرنے والا
بصیرت	مراد عقل و فہم	سپیدی	سفیدی
دلِ محزوں	غمگین دل	تاراج کرنا	برباد کرنا
پرتو	سایہ	اُمید جگانا	اُمید پیدا کرنا

مشقی سرگرمیاں

* نظم کا بغور مطالعہ کیجیے اور ذیل کی استحسانی سرگرمیوں کو ہدایات کے مطابق مکمل کیجیے۔

۱۔ نظم کی صنف، شاعر کا نام اور تخلص لکھیے۔
۲۔ نظم میں بیان کی گئی اللہ تعالیٰ کی صفات کو تحریر کیجیے۔
۳۔ نظم سے صنعتِ تضاد کے اشعار نقل کیجیے اور متضاد الفاظ کو خط کشیدہ کیجیے۔
۴۔ 'قل ہو اللہ احد' اِس آیت کے مفہوم والا شعر نقل کیجیے۔
۵۔ نظم سے کوئی چار قافیے لکھیے۔
۶۔ نظم سے ہم معنی الفاظ کی جوڑیاں تلاش کر کے لکھیے۔
۷۔ حمد سے اپنی پسند کا ایک شعر لکھیے اور پسندیدگی کی وجہ بیان کیجیے۔
۸۔ 'نورٌ علیٰ نور' کی صفت والے شعر کو نقل کیجیے۔

* ذیل کے اشعار کی مختصر تشریح کیجیے۔

۱۔ تو جسے چاہے اُسے تخت دے، تاراج کرے
ملک تیرا ہے ، حکومت تری، آقا تو ہے

۲۔ خود کو دیکھوں تو دِکھائی نہیں دیتا کچھ بھی
تجھ کو سوچوں تو ہر اک شے میں سمایا تو ہے

* نظم کے قافیوں کے علاوہ نظم سے دوسرے ہم صوتی الفاظ تلاش کیجیے۔

* حمد سے وہ مصرع تلاش کیجیے جس میں ضرب المثل آئی ہے۔

* سائنس کی روشنی میں ان مصرعوں کی وضاحت کیجیے۔

۱۔ اپنے محور پہ ہیں گردش میں اگر شمس وقمر

۲۔ رات اور دن ہیں پروئے ہوئے موتی کی طرح

* 'حمد' سے زیرِ اضافت والی ترکیبیں تلاش کر کے لکھیے۔

* دیے ہوئے الفاظ کی مناسبت سے لفظ لکھیے۔

چشمِ بینا — [ ]

دلِ محزوں — [ ]

ڈوبتی آس کو — [ ]

ظلمتِ شب میں — [ ]

اضافی معلومات

علامہ اقبالؔ

ہندوستانی بچوں کا قومی گیت

چشتی نے جس زمیں میں پیغامِ حق سنایا
نانک نے جس چمن میں وحدت کا گیت گایا
تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا
جس نے حجازیوں سے دشتِ عرب چھڑایا
میرا وطن وہی ہے ، میرا وطن وہی ہے

یونانیوں کو جس نے حیران کردیا تھا
سارے جہاں کو جس نے علم و ہنر دیا تھا
مٹی کو جس کی حق نے زر کا اثر دیا تھا
ترکوں کا جس نے دامن ہیروں سے بھر دیا تھا
میرا وطن وہی ہے ، میرا وطن وہی ہے

ٹوٹے تھے جو ستارے فارس کے آسماں سے
پھر تاب دے کے جس نے چمکائے کہکشاں سے
وحدت کی لے سنی تھی دنیا نے جس مکاں سے
میرِ عربؐ کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے ، میرا وطن وہی ہے

بندے کلیم جس کے ، پربت جہاں کے سینا
نوحِ نبی کا آ کر ٹھہرا جہاں سفینہ
رفعت ہے جس زمیں کی بامِ فلک کا زینہ
جنت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا
میرا وطن وہی ہے ، میرا وطن وہی ہے

نظم کا مطالعہ کیجیے اور ذیل کی سرگرمیاں ہدایت کے مطابق مکمل کیجیے۔

* نظم میں مذکور ملکوں کے نام تحریر کیجیے۔
* نظم سے صنعتِ تلمیح کے اشعار نقل کر کے تلمیحی اجزا کو خط کشیدہ کیجیے۔
* نظم میں 'خدا کے ایک ہونے' کے لیے استعمال کی گئی صفت لکھیے۔
* نظم میں ہندوستان کی بیان کردہ خصوصیات/خوبیوں کی فہرست تیار کیجیے۔
* دنیا کو ہندوستان نے جن چیزوں سے نوازا ہے، ان کے نام لکھیے۔
* دیے ہوئے مصرعوں کے مفہوم کو واضح کیجیے۔

۱۔ نانک نے جس چمن سے وحدت کا گیت گایا
۲۔ مٹی کو جس کی حق نے زر کا اثر دیا تھا
۳۔ میرِ عربؐ کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
۴۔ نوحِ نبی کا آ کر ٹھہرا جہاں سفینہ

۲۔ باغِ نخلہ کے مسافرؐ پر سلام

ENEH49

سلیم شہزاد

پہلی بات : آپ جانتے ہیں کہ ہر نظم کی ایک خاص ہیئت ہوتی ہے اس کے تمام مصرعے ایک خاص آہنگ کی وجہ سے ایک دوسرے کے برابر ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر نظم 'زمینِ کرب و بلا' کو دیکھیے۔ اس نظم کا ہر ٹکڑا (بند) چھ چھ مصرعوں اور مخصوص قافیوں والا ہے۔ یہ بات ذیل کی نظم کی ہیئت میں نہیں ملتی۔ اس کے بہت سے مصرعے چھوٹے بڑے ہیں۔ جس نظم کا ایک خاص آہنگ اور لے ہو لیکن جس کے مصرعے برابر کے نہ ہوں، اسے آزاد نظم کہتے ہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے اپنا نبی بنا کر بھیجا۔ اعلانِ نبوت کے فوراً بعد آپؐ نے لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچانے کا کام شروع کر دیا۔ اپنے رشتے دار، شہر والے اور پھر دیگر بستیوں کے لوگوں کو آپؐ نے اسلام کی دعوت دی۔ حضورؐ نے اسی سلسلے میں طائف کا سفر اختیار کیا۔ وہاں کے لوگوں اور مشرکوں نے آپؐ کی مخالفت کی اور آوارہ لڑکوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا جنھوں نے پتھر مار مار کر آپؐ کو لہولہان کر دیا۔ وہ آپؐ کی زندگی کا سخت ترین دن تھا۔ اسی واقعے کو شاعر نے ذیل کی نعت میں بیان کیا ہے جو آزاد نظم کی ہیئت میں ہے۔

حضرت محمد ﷺ کی تعریف و توصیف میں کہی جانے والی نظم کو نعت کہتے ہیں۔ نعت میں آپؐ کی سیرت کے واقعات بھی بیان کیے جاتے ہیں مثلاً آپؐ کی ولادت کا بیان کرنے والی نعت مولود نامہ کہلاتی ہے۔ معراج کے واقعے پر لکھی گئی نعت معراج نامہ، آپؐ کی صفتِ نور پر لکھی گئی نعت نور نامہ اور آپؐ کے وصال پر لکھی ہوئی نعت وفات نامہ کہلاتی ہے۔ ان کے علاوہ آپؐ کی ذات کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ بھی نعت میں کیا جاتا ہے۔ نعت گوئی کی روایت حضرت محمد ﷺ کے زمانے سے چلی آ رہی ہے۔ رسول اللہؐ کے صحابی حضرت حسانؓ بن ثابت عربی کے مشہور نعت گو ہوئے ہیں۔ بوصیری کا نعتیہ قصیدہ 'قصیدۂ بردہ' بھی عربی کے نعتیہ ادب میں نہایت اہم ہے۔ اُردو میں محسؔن کاکوروی، حالؔی، احمد رضا خاں بریلویؒ وغیرہ کی نعتیہ تخلیقات کو بہت بلند مقام حاصل ہے۔

جان پہچان : سلیم شہزاد یکم جون ۱۹۴۹ء کو دھولیہ (مہاراشٹر) میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے مالیگاؤں میں تعلیم حاصل کی اور درس و تدریس کا پیشہ اختیار کیا۔ اُردو اور انگریزی ادب کی تمام اصناف پر ان کی گہری نظر ہے۔ تنقیدی کتابوں کے علاوہ انھوں نے لغات اور اُردو قواعد پر بھی کتابیں لکھیں۔ 'فرہنگِ ادبیات، دعا : پر منتشر، جیم سے جملے تک، ویرگاتھا' وغیرہ ان کی مشہور کتابیں ہیں۔ ان کا شمار جدید شعرا میں ہوتا ہے۔ انھوں نے آزاد نظم میں تجربات کیے ہیں۔ ان کی نظموں کی شعری لفظیات عربی فارسی ترکیبوں سے ایک خاص اسلوب بناتی ہے۔

وہ اندھیروں میں اُجالے بانٹنے نکلا
تو مسموم آندھیاں
اس کے چراغِ شمس آسا کو بجھانے کے لیے گرداں ہوئیں
مجنون و کاہن کہہ کے اس کے علمِ ربانی کو
اس کے وسوسوں کا روپ جانا
وہ تو تشکیک و گمان و وہم سے آزاد تھا
لیکن چہار اطراف مسموم آندھیاں
وہم و گماں کے بیج بوتے پھر رہی تھیں